

# حیرت زاد

انتخاب کلام  
ابو المعانی مرزا عبدالفتاد بیدل

---

مرتبہ

پروفیسر سید شاہ محمد عطار الرحمن عطا کاوی

---

ناشر  
ایوان اردو پبلشرز

قیمت :- ایک روپیہ بارہ آنے

بار اول ۱۹۵۶ء

مطبوعہ برقی آرٹ پریس سبزی باغ - پٹنہ - ۴

# فہرست

صفحہ	عنوان	شمار
۱	بیدل کے متعلق نیاز کے تاثرات	۱
۴۳	مرزا بیدل کیا عظیم آبادی نہ تھے	۲
۵۸	اقبال اور بیدل	۳
	حصہ نظم	
۱	انتخاب	۱
۳۲	رباعیات	۲
۵۲	فردیات	۳
۵۷	قطعات	۴
۵۹	خود شناسی	۵
۶۰	یاد دیا راز	۶
۶۰	شان فقر	۷
۶۱	ماتم پدر	۸



شمار	عنوان	صفحہ
۹	تہنیت ارسال گو دڑی بہ شکر اللہ خاں	۶۲
۱۰	در صفت خورد	۶۳
۱۱	مخرومی	۶۴
۱۲	تجیر ناز	۶۵
۱۳	زبان بیدے	۶۶
۱۴	حدیث خموشی	۶۷
۱۵	کش مکش	۶۸
۱۶	از ماست کہ بر ماست	۶۹
۱۷	قدر و قیمت شکست	۷۰
۱۸	تامل و تفکر	۷۱
۱۹	مقام اولیا	۷۲
۲۰	چہ می پرسی	۷۳
۲۱	جذبہ نحو	۷۴
۲۲	مردان کامل	۷۵
۲۳	مدحائے نیرنگی	۷۶
۲۴	حیرت و بے خودی	۷۷
۲۵	دیار متھرا	۷۸
۲۶	انجام کار	۷۹



شمار	عنوان	صفحہ
۲۷	سبک روحی	۷۸
۲۸	سراب نظر	//
۲۹	بے بھری	۷۹
۳۰	نود ناشناسی	۸۰
۳۱	خواب و بیداری	۸۱
۳۲	فہم راز	//
۳۳	توہر ذاتی	۸۲
۳۴	طالب صلہ	۸۳
۳۵	بہ قصیدہ گویان سلاطین	۸۴
۳۶	ذوق و شوق	۸۵
۳۷	اثر صحبت	//
۳۸	نہ پائے رفتن نہ بجائے ماندن	۸۶
۳۹	عرفان خویش	//
۴۰	مذمت نفاق	۸۷
۴۱	حیرت نظارہ	۸۸
۴۲	کرشمہ نگاہ ناز	//
۴۳	طوفان بہار	۸۹

# پیش لفظ

بیدل آں شعلہ کزو بزم پھراغاں گرم است  
یک حقیقت بہ ہزار آئینہ تاباں شد است

بیدل کی شاعری کا پس منظر اس کا یہی شعر ہے۔ اسی آئینہ خانہ  
میں بیدل حیرت زدہ کھڑا ہے۔ اس کے کلام کا مطالعہ کیجئے، معلوم ہوتا  
ہے ایک نہ بکھنے والی پیاس ہے، ایک نہ ختم ہونے والی تمنّا ہے،  
ایک منزل نا آشنا تجسس ہے جو سارے کلام میں جاری و ساری ہے۔  
وہ اپنی ہستی کو ذات مطلق میں گم کرنا نہیں چاہتا۔ اس کا مسلک تو یہ ہے  
کہ ”تو در آغوشی و من کشتہ از دور دیدنہا“ اس کو آسودگی پسند  
نہیں۔ ایک اضطراب مسلسل ایک جدوجہد کا جذبہ ہے جو ہر جگہ کارفرما  
ہے۔ بہشت کی راحت جاوید اس کو کہاں پسند؟



گویند بہشت است ہمہ راحت جاوید  
 جائیکہ بہ داغ نہ طید دل چہ مقام است  
 ہنگام وصل میں بھی وہ زحمت انتظار کا شیدائی ہے ۛ  
 مجو یاریم و آرزو باقیست ۛ وصل ما انتظار را ماند  
 اسکے سارے کلام میں ایک جوش و خروش ہے ایک ولولہ ہے ایک تڑپ ہے۔  
 ۛ ہر غبارے کہ دریں عرصہ طوفان برخاست  
 ہمہ از شونجی و بے باکی جولاں برخاست  
 اس کی نگاہ مطالعہ فطرت کے لئے وا ہے ، ہر ذرہ اپنی زبان خموش  
 سے سخن طراز ہے۔ ۛ  
 از زمیں تا بہ آسماں سخن است  
 اس کے سمجھنے کے لئے چشم بصیرت درکار ہے۔ ۛ  
 چشم واکردن زمین تا آسماں فہمیدن است  
 بیدل کو سکون پسند نہیں۔ کائنات کی ہر چیز متحرک ہے۔ سفر میں ہے یہاں تک کہ  
 ہر کجائے نکمت گل پیر ہن رنگ درید  
 نیست پوشیدہ کہ از خود سفرے می خواہد  
 اس کا مسلک ہی یہی ہے کہ ۛ



عمر آسود گئی ما بہ سفر می گذرد

غالب نے بھی یہیں سے یہ درس لیا کہ ع

زہے روانی عمرے کہ در سفر گذرد

اقبال نے بھی یہیں سے یہ سبق پڑھا ع

ہستم اگر می روم گر نہ روم نیستم

عظمت انسانی اقبال کی شاعری کا محور ہے مگر اس کا سرچشمہ بیکرل  
ہی کا کلام ہے۔ ع

ہر دو عالم خاک شد تابست نقش آدمی

اے بہار نیستی از قدر خود آگاہ باش

بے خودی میں بھی وہ اپنے خودی کو برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ ع

یہ دریا ہمو گوہر خلیوتے در انجن دارم

خود داری اور شان استغنا کی مثال غالب کے یہاں بھی ملتی ہے۔ ع

اُلٹے پھر آئے در کعبہ اگر روانہ ہوا

اور اقبال کے یہاں ع

گدائے میکدہ کی شان بے نیازی دیکھ

ہونچ کے چشمہ حیواں پہ توڑتا ہے سب کو

مگر بیدل کس غضب کے انداز میں کہ گیا ہے ۛ

درہائے فردوس و ابلود امر دز

از بے دماغی گفتم۔ ” فردا“

مختصر یہ کہ بیدل کے کلام میں جو جذبہ کارفرما ہے وہ اس کے دلی

جذبات و مشاہدات کا پر تو ہے۔ اس کی شاعری تمام تر جذباتی ہے ،

محض تجزیاتی نہیں اسی لئے اس میں بڑی کیفیت ہے۔ غالب نے بھی اس کا

رنگ اختیار کرنا چاہا مگر چونکہ وہ اس جذبہ سے محروم تھا اسی لئے بیدل

کے نقش قدم پر چلنا اس کے لئے قیامت ہو گیا۔ وہ آگ جو بیدل کے

دل میں لگی ہوئی تھی، وہ سوز جس سے اس کا دل و جگر ہرشتہ تھا وہ

غالب کے یہاں کہاں؟۔

اقبال پر بیدل کا پر تو بڑی حد تک پڑا ہے۔ مجھے حیرت تو اس

بات پر ہے کہ شبلی کے جیسا ناقد اور فارسی کا شاعر بیدل کے کلام کی

عظمت سے آگاہ نہ ہو سکا۔ عام تذکرہ نویس بیدل کی عظمت کے قائل

تو نظر آتے ہیں مگر اس کی روح شاعری تک اب تک بہت کم لوگوں کی

رسائی ہوئی ہے۔ میں نے اس انتخاب میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ

مختصر پیمانہ پر فارین بیدل کے کلام سے آشنا ہو جائیں اور ایک اجمالی خاکہ



ان کی نگاہوں کے سامنے پیش ہو جائے۔ ورنہ بیدل کا کلام تو ایک بحرِ ناپید اکنار ہے اس کی شناساوری آسان نہیں۔ بیدل کے حالات اور ان کے کلام پر تنقیدی جائزہ کے لئے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ حضرت سلیمان ندویؒ، جناب نیاز فتحپوری اور ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے مضامین جو بیدل سے وابستہ تھے ان کو شامل کر کے اپنے اس مختصر مجموعہ کو وقیع اور دل چسپ بناؤں۔ اب بیدل ہی کے ایک شعر پر اپنا پیش لفظ ختم کر کے قارئین کو کلام بیدل کے مینا خانہ کی سیر کی دعوت دیتا ہوں۔

نزا کہتہ است در آغوش مینا خانہ حیرت  
مرثہ بر ہم مزن تا نشکنی رنگ تماشا را

عطا کاوی

منظریہ پور  
یکم جنوری ۱۹۵۶ء



# بیدل کے متعلق نیاز کے تاثرات

ایک دوست نے بیدل کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ نیاز صاحب بھرے بیٹھے

تھیوں ابل پڑے :-

بیدل ! ہائے بیدل !! وائے بیدل !!! آپ نے بھی کیا ذکر چھیڑ دیا۔

اس ”کم بخت“ میں فارسیت ہو یا نہ ہو، لطفِ زبان پایا جائے یا نہ پایا جائے،

لیکن اس کا کیا علاج کہ تختِ نعل کا بادشاہ ہے، ندرتِ بیان کا خدا ہے اور

سب سے زیادہ یہ کہ ایک رندِ ترولیہ ہو ہے، جو لفظ اس کے مُنہ سے

نکلتا ہے وہ دل میں تیر و سناں کی طرح پیوست ہو جاتا ہے۔

ہر کجا نکلت گل پیرہن رنگ درد

نیست پوشیدہ کہ از خود سفرے می خواہد

پھول کو ”پیرہن رنگ“ کہنا اور نکلت کو گل کی ”بجامہ دری“ حسنِ تعبیر کی وہ

حد ہے جہاں نہ نظری کی رسائی ہے نہ حافظ کی۔ اور ”از خود سفرے می خواہد“

تو وہ اندازِ بیان ہے جسے بہت سے ناواقف صرف مغربی لٹریچر کی خصوصیت

سمجھتے ہوئے ہیں۔ نکات اور چہار عنصر پر مبنی موقوف ہے اس کا تو ایک ایک لفظ

حرز جاں بنانے کے لائق ہے۔ مثنویاں دیکھئے، رقعات کا مطالعہ کیجئے، قطعاً  
و رباعیات پر سر دھنئے۔ لیکن زبان دکھولے، کون سمجھتا ہے اور کسے سمجھنے کا  
ہوش ہے، وہ خود کہ گیا ہے ۛ

پہ رسد ز نشہ معنوی بہ دماغ بے حس و بے خبر  
نہ پیری پیامے اگر کشتی بہ دکان شیشہ گراں مہر

اصغر کی صوفیانہ شاعری پر تبصرہ کرتے کرتے نیاز صاحب ایک بار پھر  
بیدل پر اتر آتے ہیں اور یوں رقم طراز ہیں :-

تصوف یا تصوف کی شاعری میں جن چیزوں کو اسرار و معارف، علم و  
عرفان وغیرہ بہت سے تھمل ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، وہ صرف دو  
نظریوں میں محدود ہیں۔ ایک یہ کہ خدا ہر جگہ اور ہر چیز میں ساری وطاری  
ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اس کی کہنہ حقیقت دریافت کرنے سے انسان عاجز  
ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نظریے ”علم تطعی“ سے تو تعلق رکھ نہیں سکتے۔ کیونکہ ان  
دونوں نظریوں میں سے ایک میں جہل و عجز کا اعتراف ہے۔ اور دوسرا جسے  
نظر ”ہدایت“ یا ”وحدۃ الوجود“ کہتے ہیں ایک ایسی تعبیر ہے جسے ایک خیال  
پرست شخص تو مان سکتا ہے لیکن علم کو درجہ یقین تک پہنچانے والوں کے لئے



اس میں زیادہ سامان دل چسپی موجود نہیں۔ پھر جب تصوف کی بنیاد ہی ایسے  
مجمول نظریوں پر قائم ہے تو اس میں اسرار و غوامض یا علوم و معارف کیا ہو سکتے  
ہیں۔ اور پھر ایک شاعر ان کے اظہار میں وہ کون سی بات پیدا کر سکتا ہے جو  
جوش و ولولہ کی حامل ہو۔

اس نوع کے شاعروں میں سب سے بلند مرتبہ بیدل کا ہے۔ اور  
اس میں کلام نہیں کہ اس نے اپنی ساری زندگی اسی عالم حیرت و استعجاب  
میں بسر کر دی جو فلسفہ ”ہوئیت“ نے اس پر طاری کر دیا تھا لیکن کیا اس کی  
قدر غزل گوئی کے لحاظ سے کی جاتی ہے؟ کیا وہ اپنے رنگ تغزل کی وجہ  
سے کامیاب شاعر کہا جاتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس کی کامیابی کا راز صرف  
اس کا انداز بیان، تنوع تعبیرات اور علوئے تخیل ہے، جو انسان کی قوت  
متخیلہ کو مسحور کر کے رکھ دیتا ہے۔ لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ علاوہ بیدل کے  
اس وقت تک کوئی دوسرا شاعر اس رنگ کا پیدا ہوا ہے؟ اس نے غزل  
گوئی ترک کر کے جس شاعری کی بنیاد ڈالی اس کے لئے اس نے ایک زبان  
بھی علیحدہ وضع کر دی۔ اور یہ خصوصیت تھی جس نے اس کو ایک مخترع اور  
مبدع کی حیثیت سے دنیا میں پیش کیا اور اس اختراع اور ابداع کو وہ  
اپنے ساتھ ہی لے گیا۔ دوسرا راز بیدل کی کامیابی کا یہ تھا کہ وہ فارسی



زبان میں شاعری کرتا تھا جو اردو کے مقابلہ میں زیادہ وسیع، زیادہ لطیف  
 و شیریں اور زیادہ ایجاز کی گنجائش رکھتی ہے۔ اس لئے اردو میں اگر  
 اس کا تتبع کیا بھی جائے تو کامیابی ممکن نہیں۔ کیونکہ اول تو بلند سے بلند  
 خیال کوئی ایسا نہیں جو بیدل کی دسترس سے باہر رہا ہو۔ اور دوسرے یہ  
 کہ اردو میں الفاظ کی کمی اور حروف و روابط کی زیادتی نے اس کو محال بنا دیا،

نیاز صاحب کے کوئی دوست اردو زبان میں ندرت و شوخی کے  
 دلدادہ تھے، انہوں نے ان سے اس کے متعلق کچھ پوچھا۔ ان کا جواب وہ  
 ان الفاظ میں دیتے ہیں :-

اس میں کلام نہیں کہ بغیر فارسی لٹریچر کا مطالعہ کئے ہوئے اردو  
 لکھنا پڑھنا نہیں آ سکتا۔ میں دبی زبان سے اس میں عربی کا بھی اضافہ  
 کروں گا، کیونکہ فارسی ادب کے محاسن کو سمجھنا بہت کچھ موقوف ہے عربی  
 جاننے پر۔

۱۵ غالب کو بھی اعتراف ہے کہ

طرز بیدل میں ریختہ کنّا

اسد اللہ خاں قیامت ہے

”عطا“

جس ندرت و شوخی پر آپ جان دیتے ہیں وہ سوائے غالب کے کہیں نہ ملے گی اور پھر اسی کے ساتھ فارسیت کا وہ عالم کہ ہر صفحہ ”ایران ناز“ نظر آتا ہے۔ نزاکت خیال اس میں شک نہیں بیدل کا حصہ ہے، لیکن اس میں یہ لطف زبان کہاں؟

جب تک آپ جوان ہیں ”خراباتِ غالب“ نہ چھوڑیے، انحطاطِ عمر میں البتہ ”مصحفِ بیدل“ سے بہتر کوئی چیز نہیں۔

میری نہ کہئے۔ یہاں ہر بات الٹی ہے۔ جب جوان تھا تو بیدل پر جہان دیتا تھا، اب زمانہ انحطاط میں غالب پر سر دھننا ہوں۔ اس سے یہ نتیجہ نہ نکالئے کہ مجھ پر بڑھا پے میں دوبارہ جوانی آئی ہے، بلکہ یہ کہ میں جوانی میں بھی بوڑھا تھا۔

ایک دوسری جگہ بیدل کے تصوف کا خاکہ وہ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں :-

یقیناً میں بیدل کا شیدا ہوں اور اس لئے مجھے ”بیگانہ لذتِ تھو“ کہنا درست نہیں، لیکن وہ چیز تصوف میں ہے کہاں جو آپ مجھ سے تسلیم کرنا چاہتے ہیں وہاں تو خدا ہی آتا ہے اور انکساری کائنات پر محیط۔



تصوف کی دنیا حشر و نشر، فردوس و جہنم سے بہت بلند واقع ہوئی  
ہے اور وہاں کفر و اسلام دونوں ہم آغوش نظر آتے ہیں۔ کبھی آپ نے  
اس کے اس شعر پر بھی غور کیا ہے ؟

درہائے فردوس و ابودامروز

از بے دماغی گفتم۔ فردا

اس سے زیادہ صریح انکار حشر و نشر یا دوسرے عالم کا اور کیا ہو سکتا ہے۔  
یعنی جس چیز کو فردوس بتاتے ہیں اس کے دروازے تو ہم پر آج ہی اسی  
دیتا میں کھلے ہوئے تھے، لیکن یہ ہماری بے دماغی تھی کہ ہم اسے فردا پر  
ٹال دیا۔

رہ گیا طاعت و بندگی کا سوال۔ سو اس باب میں بیدل کا فیصلہ یہ ہے۔

مشرّب پروانہ از آتش نہ داند طور را

اصل مقصود تو محبت میں تڑپتے رہنا ہے اور محبت یہ نہیں دیکھتی کہ تڑپانے والا  
کون ہے ؟

ہر جا کنیم سجدہ بدار آستان رسد

اب آپ کیا فرماتے ہیں ؟ اگر کوئی اور ”صاحب دل“ آپ کی نگاہ

میں ہو تو اس کا پتہ بتائیے۔ شاید حشر و نشر والا خدا اپنے بندوں کو آگ میں



جھونک کر خوش ہونے والا خدا وہیں مل جائے۔

ایک شخص نیاز صاحب کے بیدل پر "ریسرچ" تحقیقی کام کے متعلق استفسار کرتے ہیں، بیدل کا تذکرہ آیا اور نیاز بے تاب ہو گئے۔ یوں رقم طراز ہو گئے:-  
بندہ نواز! آپ نے بیدل کا تذکرہ کر کے مجھے بے چین کر دیا۔  
جی تو میرا بھی وہی چاہتا ہے جو آپ فرماتے ہیں، لیکن عرفی کا شعر آپ نے سنا ہو گا۔

من کہ با شتم عقل کل را ناوک انداز ادب  
مرغ اوصاف نواز اوج بیاں انداخت

پھر سب سے بڑا سوال وقت و فرصت اور صحت و توانائی کا ہے۔ اگر آپ کے پاس "کاپاپلٹ" کا نسخہ ہو تو بھیج دیجئے تاکہ اسے استعمال کر کے پہلے جوان ہو جاؤں پھر ملک الموت سے وعدہ لیجئے کہ وہ کسی ناگہانی حادثہ کی صورت میں بھی کم از کم پچاس سال تک میرے سامنے نہ آئیں گے۔ پھر کہتا ہوں کہ بیدل پر "ریسرچ" کرنے کے لئے اتنے ہی وقت و اطمینان کی ضرورت ہے۔

آج کل کے بعض نوجوان ہوفارسی میں ایم۔ اے اور پنی۔ ایچ۔ ڈی کی تیاریاں کر رہے ہیں، میرے پاس آئے اور مجھ سے پوچھا کہ وہ کس موضوع

پر ریسرچ کریں۔ میں نے ان میں سے ہر ایک کے سامنے بیدل کا نام لیا،  
لیکن ان میں سے کسی نے سانس تک نہ لی۔ وہ غریب کیا کریں خود ان کے  
اساتذہ میں بیدل کو سمجھنے کی اہلیت نہیں۔ آپ کے حلقہ میں اگر کوئی سر پھرا  
نوجوان ایسا نظر آئے تو اسی کو آمادہ کیجئے۔ جہاں تک مشورہ کا تعلق ہے  
میں ہر وقت حاضر ہوں۔

ایک دوسرے صاحب بیدل کے متعلق نیاز صاحب سے کچھ پوچھتے  
ہیں، وہ ان سے ذرا کھل کر بات کرتے ہیں اور اپنے تفصیلی خیالات ان الفاظ  
میں پیش کرتے ہیں :-

صدیق محترم ! خط ملا، نہ پوچھتے کتنی مسرت ہوئی۔ اب تو کوئی شخص  
بیدل کا ذکر کر دیتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ”صدائے الست“ معلوم  
نہیں کتنی دور سے آرہی ہے۔ حال ہی میں ایک صاحب تشریف لائے تھے،  
وہ بھی ڈاکٹر پیٹ کے لئے بیدل کا انتخاب کرنا چاہتے ہیں۔ مجھ سے مدد اور  
مشوروں کے طالب تھے۔ وہ کہتے رہے میں سننا رہا اور جب آخر میں نے

لہ الاما اشار اللہ۔ (انصاف عطا)



ان سے فرمائش کی کہ بیدل کا کوئی شعر سنائیے جو آپ کو بہت پسند ہو۔  
 تو معلوم ہوا کہ حضرت (حضرت) نے بیدل کا صرف نام ہی سنا ہے اور اس  
 کلام دیکھنے کی نوبت کبھی نہیں آئی۔ میں نے پوچھا کہ آپ اپنا مقالہ کب  
 تک پیش کرنا چاہتے ہیں، فرمایا ”سال آئندہ“ میں نے جواب میں بیدل  
 کا یہ مصرعہ انہیں سنایا :-

ز شبنم بخیه نتواں کرد چاکِ دامن گل را

اور خاموش ہو رہا۔

آپ سے مگر میں ایسی باتیں نہیں کر سکتا کیونکہ آپ کے مطالعہ و  
 ذوق دونوں سے واقف ہوں۔

سب سے پہلا اور سب سے بڑا کام یہ ہے کہ بیدل کے کلام کی  
 جستجو کی جائے۔ عرصہ ہوا نول کشور پریس نے اس کا کلیات اور مجموعہ نشر  
 جس میں بہارِ عناصر اور نکات بھی شامل تھے، طبع کیا تھا<sup>۱</sup> اور ہر چند  
 وہ مکمل نہ تھا، لیکن اب یہ نامکمل ایڈیشن بھی نہیں ملتا۔ نول کشور سے

۱۔ مجموعہ کا نام بہارِ عنصر مشہور ہے۔ عطا

۲۔ مطبوعہ ۱۳۹۲ھ، بمبئی والے نسخہ سے نول کشور قدیم ہے۔ عطا

پہلے مطبع صفدری بمبئی نے ۱۲۹۹ھ میں ایک مجموعہ شایع کیا تھا<sup>۱</sup> اور وہ نسبتاً زیادہ مکمل تھا مگر اب وہ بھی نایاب ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ہندوستان کے کتب خانوں میں کہاں کہاں اس کی تصانیف کے مخطوطات مل سکتے ہیں، مگر ہوں گے ضرور۔ جس زمانے میں میرا قیام حکیم اجمل خاں مرحوم کے پاس تھا اس وقت ان کے کتب خانے میں ایک قلمی نسخہ بیدل کا دیکھا تھا جس میں بہت سی چیزیں مطبوعہ نسخوں سے زیادہ تھیں۔ معلوم نہیں یہ نسخہ اب بھی موجود ہے یا نہیں۔ نثر میں اسکی تین چیزیں ہیں۔ نکات، چہار عنایت اور رتعات۔ لیکن ان میں ہزاروں اشعار پائے جاتے ہیں باقی اس کا تمام کلام منظم ہے جس کے شعروں کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ اس کے دیوان میں بھی تیس ہزار اشعار سے کم نہیں۔ لیکن اس کی دوسری تصانیف میں بھی غزلیں اتنی کثرت سے پائی جاتی ہیں کہ اگر ان سب کو اکٹھا کر لیا جائے تو اس کے دیوان کا حجم دو چاند ہو سکتا ہے۔

میرے پاس وہی بمبئی والا نسخہ ہے۔ اس میں سب سے پہلے ”مثنوی عرفاں“

---

<sup>۱</sup> اس سے پہلے مطبع احمدی دہلی نے ۱۲۷۸ھ میں دو جلدوں میں کلیات شایع کیا تھا۔ اس کی پہلی جلد خدا بخش ابٹری میمن اور دوسری جلد میرے پاس ہے۔ عطا



درج ہے اور پھر مثنوی ”طور معرفت“ اس کے بعد نکات، اشارات،  
 رقعات، چہار عناصر، مثنوی محیط اعظم، غزلیات، رباعیات، مثنوی  
 ”طلم حیرت“ قصاید فیوض ہیں اور گوہیں جانتا ہوں کہ یہ نسخہ ناقص ہے۔  
 تاہم اس میں بھی جو کچھ ہے وہ اتنا ہے کہ ایک شخص پوری عمر صرف کرنے  
 کے بعد بھی اس کا مطالعہ ختم نہیں کر سکتا۔

پندرہ سال کی عمر سے اس وقت تک بیدل کا مطالعہ کر رہا ہوں لیکن  
 اس سمندر سے ایک قطرہ بھی نہیں اٹھا سکا۔ بیدل کا ذوق انسان میں عجیب  
 قسم کا ذہنی استسقا پیدا کر دیتا ہے اور وہ اس کی ہر چیز سمجھ لینے کے لئے  
 اس کے کلام کی بیتا بانہ ورق گردانی کرنے لگتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے  
 کہ ہم اس کی کسی خصوصیت کو نہیں پہچان سکتے۔

میری رائے میں سب سے پہلے چہار عناصر کا مطالعہ کرنا چاہئے،  
 کیونکہ اسی سے کچھ پتہ بیدل کی زندگی کا بھی چلتا ہے۔ نیز یہ کہ کن واقعات  
 و حالات سے وہ کیوں کرتاثر ہوا۔ اس کے بعد نکات پر ٹھننا چاہئے اور  
 اگر زندگی و فاکرے تو اس کی مثنویوں کی تلاوت کرنا چاہئے کہ بیدل کی شاعری  
 کا کمال انہیں سے ظاہر ہوتا ہے۔

بیدل کا کلام اپنے پیام کے لحاظ سے یکسر غیر متنوع ہے اور زبان کے

۱۱  
لحاظ سے بھی درس و تدریس کی چیز نہیں۔ لیکن انداز بیان اور نزاکت تخیل کے لحاظ سے وہ یقیناً اس دنیا کی چیز نہیں۔ بیدل ہی دنیا کا سب سے پہلا اور آخری شاعر ہے جس کی زبان تخیل نے پیدا کی اور تخیل ناورائی اور اک نے۔

صنف نازک کی ایک فرد نے نیاز صاحب کو ایک خط لکھا اور بیدل سے دل چسپی کا اظہار کیا۔ اس کے جواب میں وہ یوں لکھتے ہیں :-  
نیاز لوازی کا شکریہ — مکتوب گرامی کا جواب کافی تفصیل چاہتا ہے اور شاید حضوری بھی، سو ان میں ایک چیز مجھ سے متعلق ہے اور دوسری آپ سے۔

آپ کا بیدل سے لگاؤ بڑی مسرت آمیز حیرت کی بات ہے۔ مسرت تو اس لئے کہ آپ میری ہم مشرب نکلیں اور حیرت اس لئے کہ آج کل مردوں میں بھی کوئی شناسائے بیدل نظر نہیں آتا چہ جائیکہ نسائی طبقہ کے کسی فرد کی طرف سے اس ذوق کا اظہار۔

دل کو آئینہ تمثال کہنا بیدل کی بڑی محبوب چیز ہے اور چونکہ آئینہ کا کوئی نقش منتقل نہیں ہوتا اس لئے وہ اسے وحشت پیوند کہتا ہے۔



شعر کا مفہوم یہ ہے کہ میرے دل میں جو نقش ابھرتا ہے وہ آخر کار وحشت انجام  
 ہی نظر آتا ہے اس لئے حیران ہوں کہ وہ کون بے وفا ہے جس نے میرے دل  
 کو آئینہ تمثال بنا کر اس غدا میں مبتلا کر دیا۔ مدعا یہ ہے کہ دل میں اب  
 سوائے جلوۂ دوست کے کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہے اور اس کے علاوہ  
 جو خیال پیدا ہوتا ہے وہ باعثِ وحشت ثابت ہوتا ہے۔ بے وفا یہاں پیار  
 کے لب و لہجہ میں استعمال کیا گیا ہے۔

نیاز صاحب اپنے ایک دوست کو خط میں مبالغہ اور نکتہ وری کا فرق  
 بتاتے ہوئے بیدل سے اس کی سند پیش کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ مبالغہ  
 میں حسن پیدا کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ غالب کے اکثر اشعار ایسے ہیں کہ اگر  
 وزن و قافیہ علیہ کر کے ان کا ترجمہ دور کر دیا جائے تو دل و دماغ کے  
 علاوہ سامعہ کو بھی ناگوار ہوں۔ یہ مبالغہ ہوا نکتہ وری نہ ہوئی۔  
 بیدل کی شاعری میں اس رنگ کے اشعار اکثر نظر آتے ہیں اور یہ

لے بیدل کا شعر یہ ہے ۔ بدل نقشے نمی بندد کہ با وحشت نہ پیوند  
 نمی دامنم کدایں بے زنا آئینہ چید اینجا

اس کا معجزہ ہے کہ تغزل سے کسی جگہ نہیں ہٹتا۔ کہتا ہے ۛ

باغے کہ بہارِش ہمہ سنگ است دل او

دشتے کہ غبارِش ہمہ آب است دل ما

اس سے زیادہ آرٹ اور کیا ہو سکتا ہے کہ اضداد کو یکجا کر دیا جائے ، لیکن  
بیدل کا کمال ہے کہ ”پتھر پانی اور خاک“ سب کو ایک دوسرے کے ساتھ  
ملا کر اس نے اس طرح پیش کر دیا کہ متنافر محسوس کرنے کے بجائے آپ ایک  
خاص کیفیت محسوس کرتے ہیں۔

ایک شعر اور سنئے :-

کفِ خونے کہ دارم تا پھکیدن خاک می گردود

چہاں گیرم بہ ایس بے مانگی دامانِ قاتل را

مصرعہ اول میں جو دعویٰ کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں ، لیکن دوسرے مصرعے  
میں اس قدر غضب کی کشش تغزل ہے کہ ذہن کو یہ سوچنے کا موقع ہی نہیں  
ملتا کہ وہ خون کے خاک ہو جانے پر غور کرے۔

دوسرا شعر ملاحظہ ہو ۛ

زیرنگِ فسوں پردازی الفت پہ می پرسی ؟

تو در آغوشی و من کشتہ از دور دیدن ہا



یہاں بھی وہی تضاد ہے یعنی قرب و بعد کو یکجا کر دیا ہے۔ لیکن آپ اسے  
مبالغہ قطعاً نہیں کہہ سکتے۔ پھر کیا ہے؟ وہی نکتہ وری۔

بیدل کے بعض اشعار اس معیار سے گرے ہوئے بھی نظر آتے ہیں اور  
باوجود مبالغہ نہ ہونے کے بھی ان میں نکتہ وری نہیں پائی جاتی یعنی ادعاۓ  
شاعرانہ تو ہے لیکن ثبوت اچھا ہم نہیں پہنچ سکا۔ مثلاً  
دلِ گم گشتہ سراغِ ست ز کیفیتِ شوق  
نشہ بالدار اگر از دستِ رود شیشہ ما  
ایک شعر ایسا ہی اور سنئے :-

عیش داند دلِ سرگشتہ پریشانی را  
ناخدا باد بود کشتی طوفانی را

اس میں بھی کوئی بات نہیں۔ الغرض مبالغہ اور نکتہ وری میں فرق کرنا  
ضروری ہے۔

بیدل کے حالات کے متعلق نیاز صاحب رقم طراز ہیں :-  
بیدل کے حالات موجودہ تذکروں میں بہت ناکافی ہیں، لیکن اگر  
کوئی شخص کاوش کرے تو خود انہیں کے کلیات خصوصاً چہار عناصر سے بہت

کچھ حالات فراہم ہو سکتے ہیں۔ تذکروں میں صرف حسین قلی خاں عظیم آبادی کا تذکرہ نشتر عشق (جس کا ایک قلمی نسخہ یہاں موجود ہے) ایسا ہے جس میں نسبتاً زیادہ حالات نظر آتے ہیں اور جو غالباً کلیات ہی سے جمع کئے گئے ہیں۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل کی ولادت بہ مقام عظیم آباد (پٹنہ) ۱۷۵۷ء میں ہوئی جس کا مادہ تاریخ لفظ ”انتخاب“ سے نکلتا ہے۔ ترکوں میں ایک قبیلہ یا جماعت برلاس کے نام سے مشہور ہے، ان کا تعلق اسی جماعت سے تھا۔ باپ کا نام مرزا عبدالحق تھا۔ مرزا عبد القادر بہت کم سن تھے کہ باپ کا انتقال ہو گیا، لیکن اس قدر کم سن نہ تھے کہ اس حادثہ کا اثر قبول نہ کرتے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے والد کے غم میں کچھ اشعار بھی لکھے تھے اور انہیں میں سے ایک شعر یہ بھی ہے ۵

خوشید خرامید و فروغ بہ نظر ماند

دریا بہ کنارِ دگر افتاد و گھر ماند

ہم یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں کہ یہ شعر ان کی کم سنی کا ہے۔ البتہ یہ ممکن

۵۔ ان کے عظیم آبادی ہونے کے متعلق علامہ سلیمان ندوی کا مضمون اسی کتاب میں دیکھئے۔ ”ع“

۶۔ یا ارلاس؟ ”ع“



ہے کہ جب سن شعور کو پہنچ کر انہوں نے اپنے مختلف جذبات کو منطوقہ کیا تو اس سلسلہ میں اس حادثہ کا بھی ذکر ان الفاظ میں کیا۔

جب پانچ سال کی عمر میں یہ کلام اللہ ختم کر چکے تو عربی کی تعلیم شروع ہوئی، جیسا کہ اب سے پچھلے تمام مسلمان گھرانوں میں رواج تھا۔ جب دس سال کی عمر میں کافیہ ختم کر کے شرح ملا کا درس شروع ہوا تو ایک دن ان کے چچا مرزا قلندر، جو ان کے سرپرست تھے اس مدرسہ میں پہنچے جہاں ان کی تعلیم ہوتی تھی۔ اتفاق سے اس وقت دو طالب علموں میں کسی مسئلہ علمی پر گفتگو شروع ہو گئی۔ مرزا قلندر نے دیکھا کہ جو طالب العلم شکست کھا رہا ہے وہ متفعل ہوتا جاتا ہے اور غالب طالب علم میں کبر و نخوت کا انداز پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر انہوں نے اپنے بھتیجے سے کہا کہ چلو اٹھو۔ اس تعلیم سے کوئی فائدہ نہیں جس کا نتیجہ صرف افعال ہے یا نخوت۔ چنانچہ یہ اپنے چچا کے ساتھ اٹھ کر چلے آئے اور زیادہ وقت فقہ کی صحبت میں بسر کرنے لگے۔

مرزا ابتداءً عمر سے بے انتہا ذہین، موزوں طبع اور حسن پرست تھے۔ مدرسہ میں ان کے ساتھ ایک لڑکا پڑھتا تھا جس سے یہ بہت مالوف تھے۔ یہ ہمیشہ اپنے مٹنے میں لونگ رکھتا تھا جس سے گفتگو کے وقت خوشبو پیدا ہوتی تھی۔ چنانچہ مرزا نے یہ رباعی اسی الفت کی یاد میں تحریر



کی ہے :-

یارم ہر گاہ در سخن می آید . بوسے عجے کہ از دہن می آید  
 این بوی قمر نفل ست یا نکست گل یار احو مشک از خلق می آید  
 فن شعر میں انہوں نے مولنا کمال نامی کے سامنے زانوئے ادب تہ  
 کیا اور رمزی تخلص تجویز کیا۔ ایک دن گلستاں کے مطالعہ میں مصروف تھے  
 کہ یہ مصرعہ نظر آیا ” بے دل از بے نشاں چہ گوید باز “ اور اسی وقت  
 سے اپنا تخلص بدل کر بیدل کر دیا۔

اول اول سرکار شاہ شجاع ( شاہ جہاں کا بیٹا اور بنگال کا حاکم )  
 سے تعلق پیدا ہوا اور جب سن تیز کو پہنچے تو شاہزادہ محمد اعظم شاہ کے  
 دربار میں پانصدی منصب پر ممتاز ہو گئے۔ کسی نے شاہزادہ محمد اعظم سے  
 کہا کہ میرزا عبدالقادر فن شعر کا بڑا ماہر ہے اور نہایت نادر مضامین نظم کرتا  
 ہے۔ محمد اعظم شاہ نے لوگوں سے کہا کہ میرزا سے کو میری تعریف میں قصیدہ  
 لکھے۔ میں اسکو بہت بلند مرتبہ پر پہنچا دوں گا۔ میرزا کو معلوم ہوا تو انہوں  
 نے انکار کر دیا اور جب زیادہ اصرار کیا تو ترک تعلق کر کے دو آہ کی طرف  
 چلے آئے اور اکبر آباد۔ متھرا وغیرہ کی سیاحت کر کے شاہ جہاں آباد آ گئے۔  
 یہاں پہنچ کر انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور حد درجہ استغناء کی



طبیعت میں پیدا ہو گیا ۔

رفتہ رفتہ اکثر امرار دربار ان کے عقیدت مند ہو گئے ۔ چنانچہ  
نواب شکر اللہ خاں، شاکر خاں وغیرہ کے نام جو رتقات ان کے کلبیات  
میں نظر آتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا کے تعلقات ان لوگوں سے  
کیے تھے ۔

نواب آصف جاہ والی دکن جو آصف تخلص کرتے تھے، اپنا کلام  
مشورہ کے لئے میرزا کے پاس بھیجا کرتے تھے ۔ ایک بار انہیں دکن بھی  
طلب کیا لیکن انہوں نے جواب میں صرف یہ لکھ کر بھیجا کہ  
دنیا اگر دہند نہ جنم زبجائے خویش  
من بستہ ام حنائے قناعت بہ پائے خویش

میرزا کو فارسی زبان اور اس کے مصطلحات پر بڑا عبور حاصل تھا۔  
اور دقت پسندی، بلند پروازی ان کی خصوصیت تھی۔ انہوں نے نظم و نثر  
کا انداز ہی بالکل بدل دیا اور وہ جدید اسلوب اختیار کیا جو اس سے  
قبل فارسی میں رائج نہ تھا۔

میر غلام علی آزاد نے اپنے تذکرہ میں ان کے تصانیف کی فہرست حسب  
ذیل ظاہر کی ہے :-

(۱) کلیات نظم و نثر جس میں ایک لاکھ سے زیادہ ابیات تھے۔

(۲) نسخہ سرفاں - چار ہزار بیت کا

(۳) طور معرفت - تین ہزار بیت کا

(۴) ساقی نامہ - دو ہزار بیت کا

(۵) تنبیہ المہوسین - ایک ہزار بیت کا

(۶) ترجیع بند - فخر الدین عراقی کے جواب میں - سات ہزار بیت -

(۷) صنائع و بدائع - سات ہزار بیت -

(۸) چہار عناصر - اٹھارہ ہزار بیت -

صاحب تذکرہ سرخوش لکھتا ہے کہ میں نے ان کے کلیات کو وزن کیا تھا۔ پندرہ سیر نکلا تھا۔

انہوں نے ۷۹ سال کی عمر پائی اور ۳۳۱ھ میں صفر کی چوتھی تاریخ کو پنجشنبہ کے دن تپا حرقہ میں انتقال کیا۔ جس مکان میں رہتے تھے وہیں دفن کئے گئے۔ ماثرا کرام میں تاریخ وفات ۳ صفر ۳۳۱ھ لکھی ہے۔

۱۵ یہ نثر کا کتاب ہے جس میں چار عشر ہیں۔ درسان تحریر اشعار نظم ہوتے چلے گئے ہیں۔

۱۶ یہی تاریخ صحیح ہے۔ ”ع“



خوشگو نے ان کی تاریخ وفات میں یہ قطعہ لکھا تھا :-

افسوس کہ بیدل از جہاں رفتے نہفت و اں جو ہر پاک در تہ خاک بخفت  
خوشگو چو ز عقل کرد تاریخ سوال "از عالم رفت میرزا بیدل" گفت

۳۳ ۱۱ ۱۲

میر غلام علی آزاد نے جو قطعہ تاریخ لکھا ہے اس کا مصرعہ تاریخ بھی  
"میرزا بیدل از عالم رفت" ہے۔

میرزا نہایت قوی الاعضا اور زبردست قد و قامت کے انسان  
تھے۔ جوانی میں سات سیر اور ضعیفی میں ڈھائی سیر غذا کر لینا معمولی بات  
تھی۔ ان کی آہنی جریب کا وزن ۳۶ سیر (شاہجہانی) تھا۔ باوجود زہد  
و اتقا کے ریش و بروت کو صاف رکھتے تھے۔ خزانہ عامرہ میں ان کی  
وفات کے بعد کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ میر عبد الولی عزت سورتی ایک  
مرتبہ عرس کے دن ان کے مزار پر گئے تو دیکھا شاہجہاں آباد کے تمام  
شعرا کا ہجوم ہے اور وہیں مرزا کا کلیات رکھا ہوا ہے، انہوں نے اس  
نیت سے کہ دیکھیں میرزا کو میرے آنے کی خبر ہوئی یا نہیں۔ کلیات کو  
کھولا تو صفحہ کا پہلا شعر یہ تھا :-

چہ مقدار خوں در عدم خوردہ باشم کہ بر خاکم آئی و من مردہ باشم



یہ واقعہ صحیح ہو یا غلط اس میں شک نہیں کہ میرزا بیدل اپنے عہد کے  
صرف بے مثل شاعر تھے بلکہ صاحب باطن بھی اسی درجہ کے تھے جسکا ثبوت  
میر عبد الوہابی کے اس واقعہ سے زیادہ ان کے کلام سے مل سکتا ہے۔

مرزا رحیم بیگ صاحب حصار کے رہنے والے جناب نیاز سے  
بیدل کی شاعری کے متعلق ان کی رائے پوچھتے ہیں اور بیدل کے چند اشعار  
کی وضاحت چاہتے ہیں۔ اس کے جواب میں جناب نیاز فرماتے ہیں :-  
بیدل کے متعلق ملک میں دو مختلف رائیں پائی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ  
اس کے یہاں زبان کا کوئی لطف نہیں ہے۔ خیالات میں ضرورت سے زیادہ  
تقصیر اور آورد ہے اور تخیل کی بلندی غیر مناسب حد تک بڑھ کر سما ہو کر  
رہ گئی ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ بیدل کی شاعری زبان کی شاعری نہیں  
ہے بلکہ صرف تخیل کی شاعری ہے اور چونکہ وہ بہت بلند ہے، اس لئے  
ترکیب الفاظ اور اسلوب بیان میں پیچیدگی کا پایا جانا ضروری ہے۔  
کیونکہ مضامین کی رفعت مستلزم ہے الفاظ و ترکیب کی ندرت کو۔ اور چونکہ  
ابداع و اختراع کو ہر معمولی دماغ پسند نہیں کرتا اور نہ کچھ سمجھ سکتا ہے  
اس لئے اکثر لوگوں نے اس کے کلام کو مہمل کہہ دیا۔ میرا میلان طبع بھی یہی ہے



کہ میں اس دوسری رائے کو پسند کروں۔ بات یہ ہے کہ بیدل نے اپنی تمام تصنیفات میں خواہ وہ نظم کی ہوں یا نثر کی، صرف ایک فلسفہ پیش کیا ہے اور وہ یہ کہ ذات باری کی کنہہ تک پہنچنا امر محال ہے اور انسان اس باب میں بالکل عاجز ہے۔ اس سلسلہ میں اس نے وحدت الوجود کو بھی اکثر جگہ بیان کیا ہے اور صرف اسی ایک خیال کے ماتحت اس نے ایسے ایسے بلند مضامین اور اس درجہ نازک و پاکیزہ جذبات سے کام لیا ہے کہ ان تک ہر ذہن کی رسائی ممکن نہیں ہے۔ یقیناً زبان کا لطف بیدل کے کلام میں نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے کیونکہ اسکی شاعری کسی معمولی عاشق کی غزل سرائی نہیں ہے جس میں پیش پا افتادہ جذبات، ہجر و وصال کا اظہار ہو، بلکہ وہ بیان ہے ان کیفیات کا جن کا تعلق اس مادی دنیا سے بالکل نہیں ہے اور اس کی شاعری ایک آواز ہے جو صرف اعماق روح سے پیدا ہوتی ہے اور جن کے قبول کرنے کے لئے وسیع ترین الفاظ کا ملبوس بھی تنگ نظر آتا ہے۔

یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جب خیالات بلند، مضامین ارفع، جذبات نازک، کیفیات غیر معمولی اور واردات قلب نادیر ہونگے تو ان کے بیان کرنے کے لئے عام الفاظ اور معمولی ترکیبیں کبھی کار آمد ثابت نہ ہونگی اور

لا محالہ ان کے لئے جدید اسلوب بیان ، کچھ نئے الفاظ اختراع کرنے  
پڑینگے اور اسی حقیقت کا اظہار ہے یہ کہنا کہ

” کچھ اور چاہئے وسعت مرے بیاں کے لئے“

لیکن عام طور پر نہ دماغ ہی ایسے پیدا ہوتے ہیں جو اس حقیقت کو سمجھ سکیں  
اور نہ ان کی قدامت پرستی ہی اس امر کی اجازت دیتی ہے کہ وہ ہر نئی بات  
کو بغیر ”اسناد“ کے قبول کر لیں ، اس لئے بیدل کے کلام کو اہل کہنے والے  
زیادہ نظر آتے ہیں۔ اسی کشمکش میں غریب اقبال مبتلا ہے۔ جب تک اردو  
میں اس نے اظہار خیال کیا دہلی ، لکھنؤ کی لسانیات بلائے جاں بنی رہی اور  
اب جب کہ فارسی ملبوس اختیار کیا تو زبان داں حضرات اس میں جھول بتاتے  
ہیں۔ حال آنکہ جو کچھ وہ کہتا ہے نہ اس سے قبل لکھنؤ کا روزمرہ اسے پیش  
کر سکا اور نہ ایرانی زبان دانی میں اس کی کوئی مثال نظر آتی ہے۔ لیکن جو  
نگاہیں صرف سطح تک پہنچ کر رہ جاتی ہیں ، یا جن کے نزدیک صرف  
ظاہری آب و رنگ ہی اصل چیز ہے وہ بطون حقیقت کے سمجھنے سے  
عاجز ہیں اور اس لئے قابلِ عفو۔

ادبیات کا مسئلہ اصول ہے کہ خیال کی نوعیت کے ساتھ طرز ادا کا  
بدل جانا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص اس کا اہل نہیں ہے تو اسکو صحیح معنی



• میں ادیب نہیں کہہ سکتے۔ ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمہ قرآن اسی لئے پسند نہیں کیا جاتا کہ انہوں نے اسکو توبۃ النصوح بنانے کی کوشش کی اور شبلی کوئی فسانہ نہ لکھ سکے کیونکہ مرآۃ العروس کی زبان پر ان کو قدرت حاصل نہ تھی۔ جس طرح مذہب و سیاست دو علیحدہ چیزیں ہیں، جس طرح تاریخ و فسانہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں اسی طرح ان کے لئے طرز ادا بھی علیحدہ ہونا چاہئے ورنہ اگر اصل چیز صرف زبان دانی ہو تو باقر علی داستان گو سے زیادہ سیرۃ نبویؐ لکھنے کا اہل اور انسان کلمہ پیڑ یا لکھنے کا مستحق لکھنؤ کے قمر جاہ سے زیادہ اور کون ہو سکتا ہے۔

رنگ بیدل کو جو لوگ ناپسند کرتے ہیں وہ وہی حضرات ہیں جو اس اصول سے ناواقف ہیں، اور ہر خیال کو ایک ہی ملبوس میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ پس یہ یقیناً تنقید کی بے اعتدالی، قیام معیار کی نامناسب اور ذہن کی نارسائی ہے جس کو کوئی ذی فہم دماغ جو ہر چیز کو اس کی اصلی جگہ دیکھنے کا عادی ہے ہفوات سے زیادہ اور کچھ نہیں سمجھ سکتا۔

بیدل جس آسانی کے ساتھ اپنے مدعا کے دشوار کو بیان کر جاتا ہے اس کا حال اسوقت معلوم ہوتا ہے جب کوئی دوسرا اسکی تتبع کی کوشش کرے۔ غالب سے زیادہ سخن گو، سخن کون ہو سکتا تھا لیکن طرز بیدل

میں ریختہ لکھنا اس کو قیامت ہو گیا۔ چونکہ غالب کی فارسیت بہت بڑھی ہوئی تھی اس لئے اس میں اکثر جگہ بیدل ہی کے چراغ سے کسب ضیا کیا گیا اور بڑی حد تک کامیابی بھی ہوئی۔

بیدل کا کلام اپنے معنی کے لحاظ سے جس بلند مرتبہ کا ہے اسی طرح لفظی خصوصیات کے اعتبار سے ایک خاص چیز ہے۔ ایک معمولی مضمون کو بھی وہ اپنے الفاظ و ندرت ترکیب سے آسمان پر پہنچا دیتا ہے۔ مثلاً قناعت کے پامال مضمون کو لیجئے کہ ہر شخص نے اس پر خامہ فرسائی کی ہے لیکن بیدل محض انداز بیان سے اس میں ندرت پیدا کر دیتا ہے کہ مضمون کی فرسودگی کی طرف خیال ہی منتقل نہیں ہوتا۔ جب فرماں روا آجید آباد کی طرف سے نامہ طلب پہنچا تو بیدل نے اپنی قناعت کا اظہار کر کے وہاں جہانے سے ان الفاظ میں انکار کیا :-

دنیسا اگر دہند نہ جنم ز جائے توبیش

من بستہ ام سناسے قناعت بہ پاسے توبیش

پہلے مصرعہ کا مضمون نہایت معمولی تھا، لیکن دوسرے مصرعہ سے جو اسکی توجیہ کی گئی تو شعر عام سطح سے نہایت بلند ہو گیا۔

دوسری چیز جو بیدل کے لئے مخصوص ہے وہ اسکے کلام کا توازن ہے۔



آپ مشکل سے کوئی ایسا شعر پائینگے جس میں عدم توازن کا نقص پایا جائے۔  
توازن سے میری مراد یہ ہے کہ الفاظ کا اس قدر حسن کے ساتھ استعمال کیا جائے  
کہ سارا شعر موتی کی لڑی معلوم ہو اور اس میں کوئی لفظ ایسا نہ ہو جو ماقبل  
اور مابعد کے لحاظ سے نامناسب سمجھا جائے۔

تیسری خصوصیت بیدل کی یہ ہے کہ وہ دفتر کا دفتر چند الفاظ میں  
بیان کر دیتا ہے اور ہر چند بسا اوقات شعر کا تنگ میدان اس کو مجبور  
کر دیتا ہے کہ بہت سی درمیانی کرطیوں کو ترک کر دے لیکن وہ ہمیشہ مجموعی  
اپنے وسیع خیال کو ایسے رنگ میں پیش کرتا ہے کہ ذہن سامع از خود تمام متروک  
کرطیوں کو مربوط کر کے مدعا تک پہنچ جاتا ہے اور پھر اس کی لذت میں غرق  
ہو جاتا ہے۔

”ذات باری کے مظاہرہ کا تنوع اور باوجود خفایہ کے اس کا ذرہ  
ذرہ سے ظہور“ یہ ایسا مسئلہ ہے جس کو قریباً قریب تمام صوفی شعرا نے  
بیان کیا ہے لیکن بیدل کی قدرت شاعرانہ ملاحظہ ہو، لکھتا ہے :-

تجدید تاز آشفته رنگ لباس آرائیت  
بے پروگی دیوانہ طرح نقاب افکندنت

وہ یوں بھی کہہ سکتا تھا کہ تیری لباس آرائی کے انداز کا وہ عالم ہے کہ ہر وقت

اس سے نیا ناز پیدا ہوتا رہتا ہے اور تیری نقاب افگنی کی ادا کا وہ رنگ ہے کہ اس سے زیادہ بے پردگی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس نے پہلے مصرعہ میں لفظ 'اشفتہ' اور دوسرے میں 'دیوانہ' کہکر شعر کو اس حد تک پہنچا دیا کہ اس سے زیادہ ترقی ناممکن تھی۔ تجدید ناز کے متعلق یوں کہنا کہ وہ رنگ لباس آرائی کی فریفتہ ہے اور بے پردگی کو طرح نقاب افگنی کا دیوانہ کہنا، مضمون کو جس قدر بلند کر دیتا ہے، ارباب ذوق سے محنتی نہیں۔ اسی زمین میں اسی مفہوم کو دوسرے شعر سے یوں ظاہر کرتا ہے :-

ہر بنا بروں جوشیدہ خود را بہ خود پوشیدہ  
در نور شمعیت مضمحل فانوسی پیراہنت

شمع کے فانوس کا مضمحل ہو کر شمع کے چھپانے میں کامیاب نہ ہونا ایسی زیادہ بلند بات نہ تھی لیکن "خود را بہ خود پوشیدہ" کہکر یہ ثابت کرنا کہ وہ فانوس بھی تیری ہی ذات ہے۔ اور ذات بھی وہ جس کا حال یہ ہے کہ "ہر بنا بروں جوشیدہ است" ذہن کو خیال کی اس سرحد تک پہنچا دیتا ہے کہ اس کے آگے پرواز محال معلوم ہوتی ہے۔ اس غزل کا ایک اور شعر ہے :-

در نوا بہار لم یزل جوشیدہ از باغ ازل  
نہ آسمان گل در بغل یک برگ سبز گکشدت



معرض سے کہتے کہ ”نہ آسماں گل“ کی ترکیب کو یہاں سے علیحدہ کر کے کوئی دوسرا لفظ یا فقرہ استعمال کرے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ لفظ جو شیدہ کے ثبوت کو تکمیل تک پہنچانے والا ہو۔ کیا اس میں کامیابی ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔

بیدل کی قدرت شعر گوئی کا ثبوت مشکل زمینوں میں زیادہ ملتا ہے بعض بعض ایسے پیچیدہ ردیف و قافیہ کی غزلیں ہیں کہ ان میں کسی معمولی شعر کا نکلنا بھی دشوار معلوم ہوتا ہے لیکن بیدل وہاں بھی اسی طرح خلاق معانی نظر آتا ہے اور اس کی حسیت ترکیبوں کا وہی عالم ہے۔ ایسے ہی ایک مشکل زمین کا مطلع ہے :-

تمام شوقیم لیک غافل کہ دل براہ کہ می خرامد؟  
جگر بدایغ کہ می نشیند نفس باہ کہ می خرامد؟

فلسفہ وہی ہے اور خیال وہی کہ کہنہ حقیقت باری کا علم حاصل نہیں ہو سکتا لیکن انداز بیان ملاحظہ ہو اور اس کے ساتھ زمین کی دشواری پر نگاہ کر کے ردیف و قافیہ کا صرف دیکھئے کہ کتنا مربوط و دل نشیں ہے۔

اپنے آپ کے پر تو نور ربانی کا ایک منظر قرار دے کر دوسرا شعر لکھتا ہے :-

اگر نہ رنگ از گل تو دارد بہار موہوم ہستی ما  
ز پردہ چاک ایں کتاہما فروغ ماہ کہ می خرامد؟

مقطع دیکھئے، اسی کو سحر حلال، شاعرانہ اعجاز اور مہمات ربانی کہتے ہیں :-

مگر زچشمش غلط نگاہ ہے رسد بہ فریاد حال بیدل

وگر نہ آں برق بے نیازی پئے گیاہ کہ می خرامد ؟

پتہ ہے اس مشت خاک سے زیادہ خوش قسمت کون ہو سکتا ہے جسکو وہ  
برق بے نیازی اپنا شمیم بنانا پسند کرے۔

بیدل سمجھتا ہے کہ کب اس برق کی بے نیا زیاں متوجہ ہو سکتی ہیں اور

اس لئے ایک عالم یا اس میں کہتا ہے کہ اگر کوئی صورت اس کے حصول کی نہ ستو  
صرف یہ کہ شاید کوئی نگاہ غلط اندازہ میسر آجائے۔

اس شعر میں ایک ایک لفظ کو دیکھئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جوہری نے

نہایت احتیاط سے لگنے جڑوئے ہیں۔ اور اگر ایک لفظ بھی غلط کر کے دوسرا  
لفظ رکھ دیا گیا تو وہ رنگا جاتا رہے جو بہ حیثیت مجموعی ان تمام لگینوں کی  
آپ و تاب سے پیدا ہو رہا ہے۔

کہاں تک عرض کروں۔ بیدل کا تو سارا کلام، نظم و نثر اس لحاظ

سے منتخب ہے اور سارا ہی عمر صرف کرنے کے بعد بھی ایک شخص یہ نہیں کہہ سکتا

کہ وہ اس کی لذتوں سے سیر ہو چکا ہے۔ شاید چہار عناصر کی ابتداء میں یہ سلسلہ

حمد وہ اس خیال کو ظاہر کرتا ہے کہ خدا کی حقیقت تک کون پہنچ سکتا ہے اور



ہمارا یا کسی اور کا اس کے بابت کچھ لکھنا یا اسکی حمد میں کسی خیال کا اظہار کرنا  
کیا وقعت رکھتا ہے۔ اس خیال کو لکھتے لکھتے وہ ایک جوش میں آکر کہتا ہے کہ:-  
”غبارِ سطر آشفستگی برہوانگاشت، پنداشت مصنف کتاب  
آسانم پرکا ہے بیاد فطرت بر باد گذاشت، دانست منشی طومار کہکشانم“  
یہ عالم اسکی نثر نگاری کا ہے۔ الغرض بیدل میرے نزدیک ایک ایسا  
شاعر تھا جس کی مخالفت ملک میں ہوئی ضروری تھی ورنہ آج اس کے کمال کی  
کوئی یقینی دلیل پیش نہ کر سکتے۔

معاف کیجئے حکایت لہزید تھی اس لئے درازی کی حد تک پہنچ گئی۔  
اب آپ کے مسئلہ اشعار کی طرف متوجہ ہوتا ہوں :-

(۱) بہ نمود ہستی بے اثر چہ نقاب شوق کمن از حیا

تو مگر بہ من نظر، کنی کہ دے سرق کمن از حیا

مطلب یہ ہے کہ میں اپنی بے اثر، ناکارہ اور فانی ہستی کو ظاہر کر کے

کے لئے کیا نقاب اٹھاؤں کہ مجھے ایسا کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ یعنی میر

کیا ہوں جو پردہ اٹھنے کے بعد کوئی مجھے دیکھے گا۔ زیادہ سے زیادہ اگر

کوئی صورت مجھے اپنے آپ کو ظاہر کرنے کی ہو سکتی ہے تو صرف اس طرح کہ آ

یک نگاہ مجھ پر ڈالے اور میں ایک لمحہ کے لئے عرق انحال بر کر نظر آؤں

مقصود یہ کہ یوں تو میں کچھ بھی نہیں ہوں لیکن اگر کوئی نگاہ ڈالے تو شاید تھوڑی دیر کے لئے ندامت کا پسینہ بن کر ظاہر ہو سکوں۔

(۲) اگر م دہر خط امتحاں ہو س کتاب نہ آ سماں

مژہ برہم آرم ازین و آں ہمہ یک ورق کنم از حیا

اس شعر میں بیدل نے دیگر مخلوقات عالم کے مقابلہ میں انسانی شرف کو نہایت خوب صورتی سے ظاہر کیا ہے اور کہتا ہے کہ اگر کتاب نہ آ سماں جرات کر کے مجھ کو امتحان کی اجازت دے دے تو میں بغیر کسی پس و پیش کے سب کو ایک ورق حیا بنا کر رکھ دوں۔ یعنی میرے وسعت خیال اور رفعت فطرت کو دیکھ کر وہ شرم جائے۔ مقصود یہ ہے کہ کائنات کی کوئی وسعت انسانی قوت مطالعہ کی وسعت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

(۳) نیست خرابات جنوں عرصہ ہولانِ فصول

لغزشِ مستانہ خوش ست آبلہ پیمانہ بر آ

اس شعر میں بہ ظاہر اشکال ”آبلہ پیمانہ بر آ“ کی وجہ سے لوگوں کو معلوم ہو سکتا ہے لیکن اگر اس کو یوں پڑھا جائے ”آبلہ پیمانہ، نہ بر آ“ تو اشکال رفع ہو جاتا ہے۔ اس میں ”نہ بر آ“ فعل نہیں ہے اور آبلہ پیمانہ کی ترکیب ویسی ہی ہے جیسے بادِ پیمانہ، بادِ پیمانہ وغیرہ۔ اس لئے شعر کا مطلب یہ ہوا کہ خرابات جنوں



میں اگر آنا ہے تو لغزشِ مستانہ کے ساتھ آؤ، اس طرح نہ آؤ کہ معلوم ہو آبلہ  
پیمائی ہو رہی ہے۔ یعنی پھونک پھونک کر قدم نہ رکھو۔ آنا ہے تو بے دھڑک  
آؤ اور مستانہ وار آؤ۔

(۴) کھنڈ پائے جملہ نشین ما بہ خیالِ کردمکین ما  
پئے آرزوئے جبین ما بہ چراغِ رنگِ حنا طلب

یہ شعر نازک ضرور ہے، لیکن بلند نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس وقت تو  
ایک معشوقِ حجلہ نشین کے کھنڈِ پاکی یاد نے ہمارے خیال پر غلبہ پا لیا ہے۔  
اس لئے ایسی صورت میں ہماری آرزوئے جبین اگر معلوم کرنا چاہتے ہو تو  
اسے چراغِ رنگِ حنا کی مدد سے تلاش کرو۔ چراغِ رنگِ حنا صرف کھنڈِ پاکی  
رعایت سے کہا گیا۔ مدعا صرف اتنا ہے کہ اس وقت ہماری جبین سمائی  
کا مقصود اگر کوئی ہے تو صرف پائے حنائی کا خیال۔

(۵) ہو حبابِ غیر لباسِ توچہ توقعِ وچہ ہر اس تو  
نہ تو مانی وہ قیاسِ توچہ کشندِ جامہ نہ پیکرت

مدعا یہ ہے کہ اے انسان تو جو اپنی زندگی کو امید و بیم میں بسر کر رہا ہے یہ  
سب فضول ہے کیونکہ خوفِ امید جو کچھ ہے اس کا تعلق حباب کی طرح  
صرف ظاہری ملبوس سے ہے، پھر جس طرح حباب کا ملبوس اتر جانے کے بعد

کچھ نہیں رہتا اسی طرح تیرا تعلق جب جسم سے نہ رہے گا جو اس کا ملبوس  
ہے تو نہ تو رہے گا اور نہ تیرے قیاسات و ادبام۔

(۶) زبند و پست بساط رنگ اثر سے نہ زد و آگاہی

کہ چہ بافت سبزہ کلاہ سرو و چہ دوخت خندہ قباۓ گل

بساط رنگ کے بلند و پست مناظر سے اثر پذیر ہونے کے بعد اتنا علم  
بھی حاصل نہ ہو سکا کہ سبزہ کلاہ سرو بنانے سے اور خندہ قباۓ گل پسینے سے  
خاموشی ہے۔ ظاہر ہے کہ سبزہ جو بہت پست ہے ترقی کر کے کلاہ سرو نہیں  
ہو سکتا۔ اور نہ خندہ گل، گل کی چاک قبا کو سی سکتا ہے لیکن بساط رنگ  
کی کارگاہ استقدر بیکار چیز ہے کہ وہاں رہ کر ہمیں اتنا بھی علم حاصل نہیں ہو سکتا۔

(۷) بہ خیال غنچہ نشستہ ام بہ خیال آئینہ لبستہ ام

ز دل شکستہ بجا روم چو بہارم آبلہ پائے گل

یعنی میں ایک غنچہ کے دیکھنا ایسا بیٹھا ہوں اور ایک آئینہ کے خیال سے وابستہ  
ہوں۔ اور وہ غنچہ یا آئینہ میرا دل شکستہ ہے، پھر اب میں اس کو چھوڑ کر کہاں  
جاسکتا ہوں کیونکہ میری حالت تو ایسی ہے جیسے بہار، کہ جس طرح پھول اپنے  
پاؤں کا آبلہ ہے اسی طرح یہ میرا دل میرے پاؤں کا جھال بنا ہوا ہے۔ نہ پھول  
بہار سے جدا ہو سکتا ہے نہ میرا دل شکستہ تجھ سے۔



(۸) تو بدست گاہ چہ آبر و زطرب و فاکنی آرزو  
کہ نہ ساخت کاسہ رنگ و بویہ مزاج خندہ گدائے گل

تو کس اقتدار پر یہ آرزو کرتا ہے کہ مسرت و طرب تیرے ساتھ وفا کرے۔  
گدائے گل یہ تو چاہتا ہے کہ خندہ حاصل کرے لیکن اپنے کاسہ رنگ و بویہ  
کو اس قابل نہیں بناتا مدعا یہ ہے کہ ہم خود اس کے اہل نہیں ہیں کہ  
مور و لطف و کرم ہوں، شکایت کس کی؟

(۹) بہ کجاست آنقدرم بقا کہ تاملے کندم وفا

عرقِ نجالتِ فرصتمِ نعمِ انفصالِ زمانیم  
مجھ میں اس قدر بقا کہاں ہے کہ کوئی غور و تامل کر سکوں، میری ہستی  
تو گویا شرمندگی، فرصت کا پسینہ اور انفصال زمانہ کا نم ہے، یعنی نیراد وجود  
تو ایسا ہے کہ اگر لفظِ فرصت اس کے آگے استعمال کیا جائے تو وہ شرم سے  
عرقِ عرق ہو جائے۔

(۱۰) بہ فسر دِ نمِ ہمہ تنِ الم، بہ ترددِ آبلہ در قدم

بہو غبارِ داغِ نشستم، چو سرشکِ ننگِ روانیم

فسردگی کے لحاظ سے یکسر درد و الم ہوں اور چلنے میں بالکل آبلہ بہا۔  
اس لئے کیا میرا بیٹھنا اور کیا میرا چلنا کہ اگر بیٹھوں بھی تو غبار کی طرح، جو حقیقتاً

بیٹھنے کے لئے عار ہے اور چلوں بھی تو آنسو کی طرح، ہو فی الحقیقت ننگ  
روانی ہے۔ اپنے آپ کو آبلہ در قدم کہہ کے سرشک سے تشبیہ دینا نہایت  
خوب ہے۔

جناب محمد عبداللہ خان صاحب کراچی سے جناب نیاز کو خط لکھ کر  
یہ پوچھتے ہیں کہ ”تکلیف تو ہوگی لیکن براہ کرم بیدل کے ان چار اشعار کا مطلب  
واضح طور پر بیان فرما دیجئے۔ چونکہ آپ نے اکثر و بیشتر بیدل کا ذکر کیا ہے  
اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ آپ سے بہتر اس خدمت کو کوئی اور انجام نہیں  
دے سکتا۔

اس کا جواب حضرت نیاز اس طرح دیتے ہیں :-  
میں بیدل کا شمار ان شعرا میں کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص ان کے کلام کا  
مفہوم سمجھنے سے عاری ہو تو اسے سمجھانے کی کوشش نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ شعر  
کا لطف صرف اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب بغیر وساطت توضیح و تفسیر کے  
وجدانی طور پر ذہن نشین ہو جائے۔ پھر چونکہ ہر شخص کا ذوق ایک مخصوص  
دائرہ کے اندر کام کرتا ہے اس لئے جب اس دائرے سے ہٹ کر کوئی چیز  
اس کے سامنے آتی ہے تو اس کا ذہن مشتوش ہو جاتا ہے اور اگر کسی کے



سمجھانے سے مفہوم سمجھ میں آ بھی گیا تو وہ لطف حاصل نہیں ہوتا جو از خود سمجھنے سے پیدا ہو سکتا ہے

بیدل کو شاعر کہا جائے یا نہ کہا جائے مجھے تو اس میں بھی تامل ہے۔ کیونکہ اس کی تخیل اس درجہ نازک ہے کہ غیر معمولی ذہانت رکھنے والے بھی بعض اوقات اس کی نزاکت تک نہیں پہنچ سکتے۔

بیدل ایک مجذوب ہے۔ شاعر نہیں۔ جو کچھ وہ کہتا ہے اسے شاعری کے نقطہ نظر سے دیکھنا غلطی ہے۔ بلکہ ایک رندِ ثرولیدہ، مو، ایک سر بصر از دہ مجنوں کی حیثیت سے اس کی آواز کو سننا چاہئے۔

جو اشعار آپ نے لکھے ہیں میں اپنی فہم و فراست کے مطابق ان کا مفہوم تو بیان کئے دیتا ہوں لیکن جانتا ہوں کہ وہ لطف جو بغیر تفصیل و تشریح کے حاصل ہونا چاہئے وہ آپ کو حاصل نہ ہوگا۔ میں یہاں صرف مفہوم ظاہر کروں گا تعبیرات شاعرانہ کو آپ اس کے مطابق کر لیجئے گا۔

(۱) بہ کد ام فرصت ازیں چمن ہوس از فضولی اثر کشد

شبِ نگوں بہ عمر خضر زغم کہ نفس شراب سحر کشد

اس شعر میں مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ کارگاہِ عالم میں انسانی تنگ و دو کی ہوس رانی حد درجہ حماقت ہے۔ کیونکہ انسان تو یہاں فرصت لے کر آیا ہی نہیں

اور بڑی سی بڑی فرصت و مہلت بھی حذر نہ بہ مختصر ہے۔ پہلا مصرعہ  
 اتنی فرصت کہاں کہ اس چمن یا دنیا میں ہماری ہوس کو فی نتیجہ پیدا  
 کر سکے۔ دوسرا مصرعہ

کیونکہ اس تنگی فرصت کا یہ عالم ہے کہ عمر خضر مل جائے تو بھی وہ اس  
 سے زیادہ کام نہیں دے سکتی کہ پیشکل ہم شام کو سحر کر سکیں  
 (۲) شکست زان چشم فتنہ مائل خبار امکاں بہ بال بسمل  
 مہاش زانسون سرمہ غافل ہنوز دستے دست زیر سنگش

محبوب کی چشم فتنہ پر وار کا یہ اثر ہے کہ بال بسمل سے خبار امکاں ٹوٹ گیا  
 اپنی بسمل تڑپ کر رہ گیا اس لئے اس وقت سے غافل نہ ہو جب ان آنکھوں  
 میں سرمہ بھی لگ جائے تو اس وقت فدا جائے وہ اور کیا قیامت ڈھائی گئی۔  
 سرمہ کے متعلق یہ کہنا کہ ”ہنوز دستے دست زیر سنگش“ صرف اس لحاظ سے ہے  
 کہ عیار ہونے سے قبل وہ کھریں میں پیسا جاتا ہے

(۳) بہ کدام آئینہ مائی کہ ز فرصت اینمہ غافل

تو نگاہ دیدہ بسملی مرہ واکن و بہ کفن درآ

تو کس تماشے میں مصروف ہے کس آئینہ کے سامنے اپنی زیبائش اور  
 آرائش میں لگا ہوا ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ جو تھوڑی سی فرصت



تجھے ملی ہے وہ دیدہ بسل کی آخری نگاہ سے زیادہ نہیں۔ اس لئے آنکھ کھول  
 اور کفن کے اندر آجا کہ تیری فرصت کا اقتضار اس سے زائد نہیں۔

(۴) ہمہ عمر باتو قدح زویم و نہ رفت رنج نثار ما

چہ قیامتے کہ نمی رسی ز کسنا ما بہ کنا ما

یہ شعر صاف ہے۔ مگر عیاں ظاہر کرنا ہے کہ عاشق کی تمنائیں وصل محبوب کے باب  
 میں اس قدر عجیب و غریب ہیں کہ کبھی پوری نہیں ہو سکتیں۔ اس خیال کو سننے  
 رک کر وہ محبوب سے کہتا ہے کہ ایک عمر گزر گئی تیرے ساتھ بادہ خواری میں  
 مصروف ہوں، لیکن نثار محرومی اب تک نہیں گیا۔ خدا کے لئے بتا یہ کیا  
 قیامت ہے کہ باوجود پہلو سے متصل رہنے کے بھی میرے پہلو سے جدا ہے۔  
 باوجود آغوش میں رہنے کے آغوش سے علیحدہ ہے۔

رومی کی مثنوی نگاری پر تبصرہ کرتے ہوئے ضمناً بیدل کی مثنوی نگاری  
 کا بھی تذکرہ چھڑ جاتا ہے۔ نیاآرہ صاحب اپنے ایک دوست کے خط میں اپنی  
 رائے اس طرح ظاہر کرتے ہیں :-

بنارگان عالی ! مثنوی مولانا روم سے متعلق میری رائے آپ سے کیا  
 ساری دنیا سے مختلف ہے۔ نظم و زبان کے لحاظ سے اس کا کوئی پایہ نہیں

اور معنوی حیثیت سے بھی مجھے اس میں کوئی خاص بات نظر نہیں آتی۔ کہانیوں کے ذریعہ سے انلاق کا درس دینا پرانی چیز ہے۔ اور ہر قوم کے لٹریچر میں اس کا وجود پایا جاتا ہے لیکن وہ کتابیں جو کہانیوں کو حقیقت کے رنگ میں پیش کرتی ہیں میرے نزدیک سخت مضرت رساں ہیں اور انہیں میں سے ایک مثنوی مولانا روم بھی ہے۔ آپ دیکھینگے کہ جتنی حکایتیں اس کتاب میں نظر آتی ہیں انہوں نے عوام کیا بعض خواص کی نگاہوں میں تاریخی اہمیت حاصل کر لی ہے۔ اور اس طرح ہمیں واہمہ پرست بنانے میں اس کتاب نے بھی بڑی مدد کی ہے۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ اس میں جن روایات و احادیث سے استناد کیا گیا ہے وہ سب کی سب موضوع و صنعت ہیں اور ایسا ہونا لازم تھا کیونکہ جب تک سنمیاتی رنگ نہ پیدا کیا جاتا جاہلوں کے لئے اس میں دل چسپی پیدا نہ ہوتی۔ لیکن کیا دل چسپی "افادیت" سے زیادہ مہتمم بالشان چیز ہے۔ بہر نوع میری رائے میں یہ یکسر تخریبی لٹریچر ہے اور اس کا مطالعہ کسی طرح مفید نہیں ہو سکتا۔

رنگیا تصوف، سو اس میں شک نہیں کہ وہ اس رنگ سے خالی نہیں لیکن ایک IDEAL چیز ہونے میں مجھے بہت شک ہے، کیونکہ اس میں نہ



خیال کی گہرائی ہے نہ انداز بیان کی گیرائی۔ اگر اس میں تاریخی ہستیوں کے متعلق غلط بیانی سے کام نہ لیا جاتا بلکہ بلا تخصیص افراد و واقعات عمومی طور پر محض مثالی انداز سے حکایتیں بیان کر دی جاتیں تو اس زہر کا نقصان بہت کم ہو جاتا، لیکن افسوس ہے کہ نہ وہ ادبی خصوصیات کے لحاظ سے مطالعہ کے قابل ہے اور نہ معنوی خوبیوں کی حیثیت سے۔ سعدی کو میں ان سے بہت بلند سمجھتا ہوں اور عطار کو ان سے زیادہ دل چسپ۔ اور سچ پوچھئے تو مجھے حقائق بھی ان سے بہتر نظر آتے ہیں۔

زبان و خیال دونوں کی تکمیل اگر آپ کو دیکھنا ہے تو بیدل کی حکایتیں پڑھئے :-

ایک شخص نے کسی سنان مزار پر شمع و پروانہ کو دیکھا، پروانہ کی حالت شمع کے گرد یہ تھی :-

کہ می گشت بیتاب گرد سرش	پرافشاں تر از دود بال و پرش
ز بس پیکرش جا بجا سوختہ	ز خود ہم چراغانی اندوختہ
ز ہر عضو بوسیدہ اعضائے شمع	سراپائش داغ و سراپائے شمع

۱۔ رومی کے متعلق زیادہ صاحب نے جس رائے کا اظہار کیا ہے وہ محض ان کی انفرادی رائے ہے اس معاملہ میں مشکل ہے ان کا کوئی ہمنوا ہو گا۔ ”رخ“

پروانہ کی یہ بیتابی اور یہ سوزانی دیکھ کر اس شخص نے پوچھا :-

نیائی چرا جانبِ انجمن کہ فرشِ ستِ صدرِ رنگ و شمع و لگن

ز ہر گوشہ گلِ کردہ باغِ دیگر ز ہر جامِ تاباں چراغِ دیگر

نظرِ تا کنی عرضِ نقلِ ست و خے نفسِ تا کشتیِ حرفِ چنگِ ست و خے

چراغے کہ سوزد بہ ویرانہا و بالِ ستِ بر بالِ پروانہا

اس کا جواب پروانہ نے جس انداز سے دیا وہ بھی ملاحظہ ہو :-

پرافشانہ پروانہ بے قرار یوں ریخت از پردہ مشتہ شرار

کہ پروانہ را کار با جمع نیست مراے جز اندیشہ شمع نیست

بہر جا بہر آغہ بر افروختند دو عالم بہ چشمِ ترش سوختند

مجال است بے طاقتِ سوختن کند فرقِ ویرانہ از انجمن

بہ ویرانہ گردِ غما حاصلِ ست کرا ذوقِ آرائشِ محفلِ ست

مولانا رزم کے کلام میں بے خودی ضرور پائی جاتی ہے ، لیکن

CLIMAX اس میں بھی نہیں ہے ۔ بیدل کے سے ٹکڑے اس کے یہاں کہاں؟



# مرزا بیدل کیا عظیم آبادی نہ تھے

(از حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

مرزا عبدالقادر بیدل ۱۲۵۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۲۲ھ میں دہلی میں وفات پائی۔ ان کو طاہر نصر آبادی نے اپنے تذکرہ میں جس کو اس وقت میں بیدل کی زندگی میں ایران میں بیٹھ کر ترتیب دیا لاہوری لکھا ہے۔ بندر ابن خوشگو جس نے بیدل سے ان کی آخری زندگی میں دہلی میں ملاقاتیں کی ہیں، ان کو ”اکبر آبادی الوطن“ لکھا ہے۔ میر غلام علی آزاد جو بیدل کی وفات کے وقت ۷۱ سال کے تھے، اور جن کے سامنے خوشگو کا بیان موجود تھا، اپنے تیئوں تذکروں، پربینا، نمر و آزاد، خزانہ عامرہ میں ان کی جائے پیدائش تصریح کے ساتھ پٹنہ عظیم آباد لکھی ہے۔ سب سے عجیب بیان مجموعہ لغز کے مصنف میر قدرت اللہ نقاسم کا ہے، جس نے اپنا تذکرہ

۱۔ اورینٹل لائبریری پٹنہ میں سفینہ خوشگو کا بونٹھ ہے، وہ آزاد، بکراہی کی کتابیں رہ چکا ہے۔ اس پر ان کے دستخط ثبت ہیں۔

۱۲۲ھ میں ختم کیا ہے۔ اس نے بیدل کو بخاری المولد بتایا ہے۔ علی قلی ہمدانی نے جس کا تذکرہ ریاض العارفین ۱۲۶ھ میں ترتیب پایا ہے، ان کو دہلوی لکھا ہے۔

ان بیانات پر نظر ڈالنے سے بیدل کے مولد و منشأ کی تعیین میں بڑا اختلاف نظر آتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بیدل اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں مختلف شہروں میں اقامت پذیر رہے۔ اس لئے ہر ایک نے ایک مقام کی طرف انہیں منسوب کر دیا۔ بخاری المولد کہنا ابدہ صحیح نہیں ہے کہ وہ ان کے آبا و اجداد کا مولد ہو تو ہو، مگر ان کا تو قطعاً نہیں۔ نصر آبادی کے اس بیان کی کہ بیدل لاہوری تھے، خوشگو نے اپنے سفینہ میں اسی زمانہ میں تردید کر دی تھی، لیکن خود خوشگو کا یہ بیان کہ بیدل اکبر آبادی الوطن تھے۔ اس تصریح سے خالی ہے، اکبر آباد ان کی جا۔ یہ پیدائش بھی تھی، ہو سکتا ہے کہ ان کے بزرگوں نے ترکستان چھوڑنے کے بعد اکبر آباد کو وطن بنایا ہو۔ لیکن بیدل کی پیدائش وہاں نہیں ہوئی ہے۔ کیونکہ ہر موطن کا مولد ہونا ضروری نہیں، ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ بیدل کا مولد و منشأ صوبہ بہار تھا۔ جس کا دارالحکومت عظیم آباد پٹنہ تھا، اور ہے۔ اس دعوے کی شہادت میں میر غلام علی آزاد جیسے محقق کا بیان ہے جس نے تین تین بہرہ اس کی تشریح کی ہے، ثانیاً



خود بیدل کے اشارات ہیں۔ جن سے قیاس یہی چاہتا ہے کہ ان کا مولد و منشأ  
یا کم از کم ان کی طفولیت اور آغاز شباب کا زمانہ بہار ہی میں گزرا ہے۔  
چنانچہ میر غلام علی آزاد یثربینا میں لکھتے ہیں —  
” اصلش از قوم ارلاش در بلده پٹنہ متولد شدہ و بہ ہندوستان  
نشو و نما یافت “

سرو آزاد میں ہے —

” از نثر او قوم ارلاش است، در بلده عظیم آباد پٹنہ از  
نہان خانہ عدم بشرستان وجود خرامید۔ و در ہندوستان  
نشو و نما یافت “

خزانہ عامرہ کی عبارت یہ ہے —

” اصلش از گروہ ارلاش در بلده عظیم آباد پٹنہ از  
شبستان عدم بہ صبح کدہ ہستی در رسید و در بلاد ہندوستان  
نشو و نما یافت او در بنگالہ بیشتر بسر می کرد۔ “

عبد الوہاب افتخار نے بھی اپنے تذکرہ بے نظیر میں اپنے استاد آزاد کی

کے بیان کو غور سے دیکھا ہے۔

بیدل کی کچھ جوانی اور بڑھاپے کا بڑا حصہ دہلی میں گزرا، اور وہیں وفات بھی پائی۔ اس لئے اگر کسی نے انہیں دہلی ہی کہا تو اعتراض کا موقع نہیں ہے۔ بیدل لطیفی سیاحت لاہور بھی جاتے رہے ہوں، جیسا کہ بابا حسن ابدال ان کو جانا خود چار عشر میں ہے، جس کے راستہ میں لاہور پر مڑتا ہے۔ لاہور کا آخری سفر اپنی وفات سے دو سال پہلے کیا تھا۔ ۱۲۱۷ھ میں بس سادات بالہ سے فرسخ سیر کے ساتھ زیادتی کی تو بیدل نے اسکی تاریخ سادات ہونے تکھرمی کر دیا۔ کئی اور اس کی شہرت ہوئی تو بیدل نے وہی سے بھاگ کر لاہور عید احمد خاں ناظم لاہور کے یہاں پناہ لی اور سال دو سال کے بعد سادات کے فتنہ کے فروز ہونے کے بعد پھر دہلی لوٹ آئے اور وہیں ۱۲۱۷ھ میں وفات پا کر اپنے گھر کے صحن میں مدفون ہوئے۔ اس بنا پر اگر ابدال میں ان کے قیام لاہور کی خبر پہنچی، اور وہاں کسی نے ان کو لاہوری لکھ دیا تو منالطف ہو سکتا تھا۔

اصل اختلاف بیان خوشگو اور میر نظام علی آزاد کے درمیان ہے، اور دونوں مصنفوں کا زمانہ بھی قریب جیسے۔ یعنی بیدل کی وفات کے وقت خوشگو شیراز میں تھے تو آزاد نوخیز۔ اس لئے ان دونوں کے بیانات میں تطبیق



یوں تطبیق ہو سکتی ہے کہ یہ مان لیا جائے کہ خوشگو کے بیان کے مطابق بہار

اکبر آبادی الزان اور آزاو کے بیان کے مطابق عظیم آبادی الزان تھے

یہ بات کہ چٹان کی جاسے پیدائش تھی یا نہ تھی، خواہ مشتبہ ہی ہو

لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں کہ انہوں نے اپنا ایک اپنا خاصانہ نام پورب کے

شہروں اور قصبوں میں گزاریا، چنانچہ معتبر راوی خوشگو اپنے سلسلہ میں لکھتا ہے

”پس آں حضرت بطریق سیاحی رود بہ مشرق نہاد و سرایت نمود

مرتے در حدود ممالک بنگال و بہار و در بزم آبادی دیے تھے

بہار بروہ، دشت و بیابان و بکودہ و عجائب قدرت الہی نہ

نمودہ۔ اکثر از خصوصیات آں ہنگام در پہاڑ خضر نگاشتم و ہم

دہم در اہ ایام بساے نعمت در ویشی سیر نصیب او گردید

از آں جا بہ تکلیف پیر کلنگار بہ ہندوستان رسید۔ چند

بہ بلکہ اکبر آباد اقامت و رسید و بازہ پراخلاق شہاہ جہاں آباد

رسیدہ کنج عزت گزید۔“

خوشگو کی اس عبارت سے ظاہر ہے کہ بیدل ایک مدت تک پورب میں رہے۔

لہ بنگال۔

اس لئے ان کا عظیم آبادی شہر بننا بے اصل نہیں ہے۔ اب ہم ان کی کتاب ”چہار عنصر“ سے ان شہروں کا پتہ لگاتے ہیں، جہاں جہاں ان کا قیام رہا۔ یا ان کی آمد و رفت رہی۔ اور اس سلسلہ میں نمود ان کے کچھ ذاتی حالات بھی زیر قلم آئیں گے۔

بیدل صوفی منش اور مشائخ اور بزرگوں کی ملاقات کے مشاق لہتے تھے۔ ان کی تصنیفات میں ”چہار عنصر“ ان کے صوفیانہ ذوق و شوق اور مکتہ شناسی اور بزرگوں کی ملاقاتوں اور باتوں کے تذکروں سے معمور ہے، بیدل کے والد قادری المشرب تھے۔ اور حضرت قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی روحانیت سے فیضیاب تھے اور عجب نہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے کا نام عبدالقادر اسی مناسبت سے رکھا ہو۔

بیدل لکھتے ہیں —

”تلقین والد شریف فقیر از روح مقدس حضرت غوث الاعظم  
رضی اللہ عنہ بوساطت اک ذات مقدس آیات بود“ (ص ۱۲۱)

بیدل کا آبائی پیشہ سپہ گری تھا، باپ کا انتقال تو ان کے بچپن ہی میں ہو چکا تھا، مگر بچپن کا سایہ مدت تک ان کے سر پر رہا۔ اور انہی کی تربیت میں پل کر جوان ہوئے۔ اس لئے سپاہیانہ اور صوفیانہ ذوق ترکہ میں پایا۔



بیدل نے اپنے چچا کی شہزوری اور پر خوری ص ۳۳۳، اور اپنی شہسواری ص ۳۳۲ کے، اور خوشگو نے اپنے سفینہ میں بیدل کی پر خوری کے واقعات لکھے ہیں۔ جوانی میں اپنے صوفیانہ ورع و تقویٰ کی پردہ داری کے لئے سپاہیانہ ملازمت کا پیشہ اختیار کیا۔

بیدل کو بچپن سے تعویذ و عملیات کا شوق تھا، اذرا اس راہ سے وہ تصوف کے کوچہ سے آشنا ہوئے اور گو وہ موروئی طور سے قادری تھے، مگر اپنے علوم و معارف کے لحاظ سے ان پر نقش بندیت اور مجددیت کے اثرات غالب معلوم ہوتے ہیں، وہ اپنی نثر و نظم میں جو نکتے بیان اور جن حقیقتوں کو ظاہر کرتے ہیں وہ تمام تر وحدت شہود، ظہور اسماء و صفات، بے تعینی، فنا، تجرد، استغناء کے مضامین ہیں، جو ان کے اشعار و نکات میں جا بجا آتے رہتے ہیں۔

بہر حال سپاہیانہ طور سے مختلف صوبوں میں ملازمت کے خیال سے یا تجرد کے عالم میں بزرگوں سے ملاقات کے شوق میں وہ مختلف شہروں میں پھرتے رہے ہیں۔ ان کی مسافرت کا مغربی سلسلہ چہار عنصر کے تفحص سے بابا حسن ابدال کے قصبہ پر جو پشاور کے قریب واقع ہے، ختم ہوتا ہے۔ یہاں ان کے فیض تلقین سے ایک جوئی جو وحدت شہود کے مسلک میں ان کا ہم عقیدہ تھا،

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا قائل ہو کر اسلام لایا ، اور  
ان کی سیاحت کا مشرقی نقطہ اٹلیسہ کا شہر کنک ہے۔ جہاں اس زمانہ میں  
ابو العقیوب پرتوخی کے پوتے خاندوران سید محمود صوبیدار تھے (ص ۳۴۹)

بیدل کے سفر کے مقامات میں مغرب میں بابا حسن ابدال اور پوربہ  
میں اور زیمہ کے علاوہ زیادہ تر یوپی اور بہار کے شہر اور قصبے ہیں متھرا اور  
میرزا پور کئی سال رہے ہیں ، اکبر آباد آئے گئے ہیں اور بہار کے مختلف  
شہروں میں ان کی آمد و رفت رہی ہے۔ مگر ان تمام مقامات پر استقصاء

کی نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ بچپن سے جوانی تک ان کا تعلق  
زیادہ تر بہار سے رہا۔ اور جوانی سے بڑھاپے تک اور آخر زمانہ دہلی میں گزرا۔  
اوپر گزر چکا ہے کہ ان کے والد اور چچا قادری المشرب صوفی تھے۔

قریب فیض ان کو بہار ہی میں ایک شیخ وقت سے ہوا۔ بیدل نے عنصر اول  
یعنی اپنی ظاہری و باطنی ابتدائی تعلیم کا حال اس طرح بیان کیا ہے۔

”میں بچہ ہی تھا کہ ان کے والد نے وفات پائی۔ ماں نے اپنے  
بچہ کو چھٹے سال چھٹے مہینے رجب میں پڑھانے کو بٹھایا۔ دسویں

مرتب کا عمر میں قرآن پاک ختم کر کے فارسی نظم و نثر اور عربی  
سنن و نحو کی کتابیں تمام کیں۔ اور یہی ان کی رسمی تعلیم کی آخری



حد ہے۔ اس کے بعد جو کچھ پایا وہ معلم فطرت کی تعلیم کا نتیجہ

ہے۔“ (ص ۳۰۰، ص ۳۰۱)

اس ظاہری تعلیم کے اتمام کے بعد ہی وہ صوبہ بہار کے ایک  
بزرگ شاد کمال قدس سرہ کی خدمت میں پہنچ گئے، جو ان کے والد اور  
بچپا کے پیر تھے۔ (ص ۳۰۱)

یہ بزرگ کہاں رہتے تھے، تبدیل کے عیاں سے صاف نہیں معلوم ہوتا،  
مگر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سرائے بنارس بہار میں ایک مقام تھا، یہاں ان کا  
قیام تھا۔

”سرائے بنارس موضع است از نواح ممالک بہار“ (ص ۳۰۲)

سرائے بنارس نام کا کوئی مقام مجھے ابھی تک معلوم نہیں ہوا۔  
آگے چل کر لکھتے ہیں :-

”مرزا قلندر راکہ چند سے در قصبہ رانی ساگر کہ بہ بین توطن  
مولانا شیخ کمال افتخار مدینۃ الاولیاء داشت، اتفاق اقامت بلود

..... در بنارس تا رانی ساگر فرسختے بیش نہ بود۔“ (ص ۳۰۲)

یہاں چھپا ہوا بنارس ہے، مگر غالباً صحیح سرائے بنارس ہے۔ جس کا ذکر پہلے  
گذرا۔ مرزا قلندر رانی ساگر جاکر شیخ کے پاس ہفتوں مقیم رہتے تھے (ص ۳۰۳)

رانی ساگر میں خوشنما تالاب تھا (ص ۴۰۳)

بیدل شیخ کمال کی صحبتوں سے آغاز شباب ہی سے مانوس تھے اور  
چچا کے ساتھ اس بارگاہ قدس میں پہنچے تھے اور ان کے معارف و حقائق  
سے بہرہ مند ہوتے تھے۔ (ص ۳۱۵)

رانی ساگر صوبہ بہار میں آرہ شاہ آباد سے اٹھارہ میل اور پٹنہ سے  
پچاس ساٹھ میل پچھم اب بھی آباد ہے اور تالاب بھی موجود ہے۔ یہی وہ  
مقام ہے جہاں بیدل کے باپ اور چچا نے تلقین کا فیض پایا، اور بیدل  
کے دل و دماغ نے وہاں سے آبیاری پائی۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ  
بیدل کا مول اگر پٹنہ نہ بھی ہو تو ان کا منشا یعنی ان کی ابتدائی نشوونما کی  
جگہ بہار ہی کا کوئی مقام ہے۔

شاہ کمال قدس سرہ سے ایک اور ملاقات کا ذکر بہار کے قصبہ آرہ  
میں جو اب ضلع ہے، بیدل سے کیا ہے۔

”در ایامی کہ قصبہ آرہ اقامت کردہ امر اتفاقی بود، اویم  
افسردہ زمین زہل قدمش راتھ سعادت می اندوخت“ (ص ۳۱۹)  
دوسرے حلقہ شوقی کے ساتھ مرزا قلندر بھی شاہ صاحب کے ہمراہ تھے۔  
”حضور مرزا قلندر کہ در برین موے زبانی داشت، مرہون



ستایش کمالش و در ہر جنبش نفس بیانی معروف تذکرہ اتوالش

(ص ۳۱۹)

شاہ شجاع نے شاہ جہاں کی بیماری کے زمانہ میں بنگال اور بہار میں اپنی سلطنت کا علم کھڑا کیا ، بیدل پٹنہ میں یا پٹنہ کے پاس ہی کہیں مقیم تھے۔ اس زمانہ میں اس ملک کی جو کیفیت تھی اور اس پاس کے راجے اور زمیندار جس طرح ملک میں ہنگامہ برپا کر رہے تھے اور اس سے ملک میں جو بد امنی پیدا ہو رہی تھی اور راستے جیسے خطرناک ہو گئے تھے ، اس کا پورا حال ”عنصر چہارم“ میں کئی صفحوں میں لکھا ہے ، اور صوبہ بہار اور پٹنہ کا حال جس طریقہ سے لکھا ہے ، اس میں بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس صوبہ سے پوری طرح آشنا تھے اور یہاں کے نہ صرف شہروں بلکہ گاؤں سے بھی واقف تھے ، بلکہ کہیں جاکر رہے بھی تھے۔ لکھتے ہیں۔

” سالے کہ شاہ شجاع بن شاہ جہاں بیماری پورا اسکے مضمون

سلطنت اندیشیدہ از خطہ بنگالہ تا سرحد ممالک بہار .....  
از آں جملہ تسخیر نواح تربہت کہ شمالی حدود پٹنہ ملکہ است عظیم

و کوہستانی مشتمل بر چندین قصبات۔“ (ص ۵۵۱)

شاہ شجاع کی طرف سے بیدل کے چچا مرزا قلندر کے ایک عزیز مرزا

عبدالغنیف تربت میں قوج کے افسر تھے۔ (ص ۵۵۱) بیدل بھی تربت میں کہیں رہے اور دیکھتے۔ ایک مقام پر پہنچے، جس کا نام "چاند پور" بتایا۔ یہ وہاں کے عجائبات خیالی کا ایک واقعہ حوالہ قلم کیا ہے (ص ۵۵۲) اور آخر وہ کسی طرح،

"بہار امن پٹنہ رسید"۔ (ص ۵۵۳)

ایک اور موقع پر پٹنہ کا ذکر کرتے ہیں۔

"در بلندہ پٹنہ وفات معارف اتفاق مرزا ظریف" (ص ۵۵۵)

پٹنہ سے چکاس سناٹھ کو س دریا کے کنارے اس طرف منظر پورا ہوا۔ موتیہاری کے نیچے میں جسی کا نام کا ایک قصبہ تھا جو آبپاشی کے بند۔ اس قصبہ میں بیدل کے چچا مرزا قلندر کبھی سکونت پذیر تھے اور مرزا بیدل ان کے ساتھ تھے۔ ششماہ میں جب شاہ شجاع کا ہنگامہ سرد پڑ رہا تھا، مرزا قلندر نے اسی جسی کے راستہ سے ہنگال کا رخ کیا اور اپنا سامان و اسباب یہیں چھوڑ دیا۔ (ص ۵۶۶)

جسی میں اس وقت کوئی بزرگ خواجہ شاہ محمد تھے۔ ان کے تابعوں میں جہان محمد تھے۔ انہی کے پڑوس میں مرزا قلندر کی سکونت تھی۔ (ص ۵۶۶) اسی بدامنی کے زمانہ میں بیدل کو اس قصبہ میں بھانسنے کی ضرورت



پیش آئی۔ (ص ۵۶۶) جمعیت کے بجائے تنہا ایک ملازم کو لے کر پا پیادہ چل پڑے۔ پا پیادہ چلنے کی عادت نہ تھی، راہ میں بے حد تکلیف ہوئی۔ گنگا سے پار اتر کر تین کوس ہی گئے تھے کہ تھک گئے۔ کسی طرح ہننا پور تک پہنچے، پھر تین کوس اور چلے تھے کہ بالکل بے بس ہو کر پڑ گئے۔ اتنے میں دیکھا کہ ایک پیر مرد ایک گھوڑی پر سوار سامنے آئے۔ قریب آ کر بڑی گرمجوش سے سلام کیا، اور اس تباہ حالی کے ساتھ سفر کا سبب دریافت کیا۔ بیدل کے وہ پرانے ملنے والے تھے، مگر بیدل ان کو پہچان نہ سکے۔ انہوں نے کہا —

”من جان محمد از تابعان خواجہ شاہ محمد کہ در مہسی با مرزا

قلندر ش نسبت ہمسائیگی دیوار بدلیوار است“ (ص ۵۶۶)

انہوں نے بڑے اصرار کے ساتھ بیدل کو اپنی گھوڑی پر سوار کیا اور خود پیادہ ساتھ ہوئے اور دونوں مہسی کی طرف چلے۔

لوگوں کو بیدل کی آمد کی خبر ہوئی تو سب خوش ہوئے۔

”فردائے آں کہ پسرانِ خواجہ برسمِ قدیم صحبتِ فقیر

در یافتند“ (ص ۵۶۹)

ان لفظوں کو پھر پڑھئے کہ خواجہ صاحب کے لڑکوں نے رسمِ قدیم کے

۵۶۶

5026

معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دور تھا  
غلط تھا آپ سے غافل گزرنا  
نہ سمجھا میں کہ اس پردہ میں تو تھا  
بیدل کے دیوان میں اس مسلک کی وضاحت کے لئے بعض اور اشعار دیکھئے:

شش جہت آئینہ دار شوخی اظہار اوست  
نیست جز مژگاں حجابے را کہ برداریم ما  
حسن مطلق داشتیم خود بینیم آئینہ کرد  
ایں قدر با ہم اثر یہودہ است اوہام را  
حیرت نگاہ شوکتِ نو میدیِ خودم  
کایں ہفت عرصہ یک کفِ بے دستگاہِ اوست  
اے غفلت آبروئے طلب بیش ازین مریر  
عالم تمام اوست کرا جستجو کنند  
دریا ست قطرہ کہ بہ دریا رسیدہ است

---

۱۰ غالب نے اسی خیال کی یوں ترجمانی کی ہے  
دہر جز جلوہ یکتائی معشوق نہیں ام کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود میں  
۱۱ غالب کے یہاں دیکھئے: عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا



..... اگلے لوگوں سے سنا ہے کہ مرزا محلہ ٹین ڈیوی میں رہتے تھے لیکن  
کسی تاریخ میں نہیں دیکھا“ (ص ۲۳۰)

”چهارعنصر“ میں میری تلاش میں وہ دفعہ اکبر آباد کا ذکر آیا ہے۔

”در بلدہ اکبر آباد منظور ابرار امیر کا مکار کہ بدلیل سعادت

ازلی اوقات گرمی مصروف خدمت فقرار داشت و در

احترامیکہ لائق اس طائفہ است .... بہ حکم حسن اعتقاد

فقیرانیز ازین فرقہ تصور فرمودہ“ (ص ۲۹۲)

دوسرا موقع۔

”تابستانے در گوشہ از زوایائے اکبر آباد گرمی ہائے صحبت

تنہا نیم، بساط عافیۃ پرداختہ بود“ (ص ۵۴۹)

مگر ان کے ان فقروں میں سے کسی سے بھی بوئے وطن نہیں آتی۔

# اقبال اور بیدل

اقبال کے ذہنی اور فکری ماخذات کا سلسلہ بہت دور تک پھیلا ہوا ہے۔  
مفکرین، شعراء، صوفیاء، فقراء، مفسرین، مورخین کے خیالات اور افکار سے  
نوشہ چینی اور استفادہ کی مثالیں اُن کے کلام اور نظام فکری میں بجا بجا موجود  
ہیں۔ اس منزل میں جن راہروں نے اقبال کی رہنمائی کی ہے ان میں ایک  
مرزا عبدالقادر بیدل بھی ہیں۔ اقبال نے مولانا روم کو بجا اپنا پیر و مرشد  
اور ہادی و رہنما بتایا ہے، پیر رومی کے علاوہ کم اور لوگ ایسے ہیں، جنہیں  
اقبال نے اس اعزاز کا مستحق سمجھا ہے اور ان میں ایک مرزا بیدل بھی ہیں۔ ایک  
جگہ فرماتے ہیں :-

تعلیم پیر فلسفہ مغربی ہے یہ	ناداں ہیں جن کو ہستی غائب کی تلاش
بیکر اگر نظر سے نہ ہو آشنا تو کیا	ہے شیخ بھی مثالِ برہمن صنم تراش
محسوس پر بنا ہے علوم جدید کی	اس دور میں ہے شیشہ عقائد کا پاش پاش
مذہب جس کا نام وہ ہے اک جنونِ خام	ہر جس سے آدمی کے تخیل کو انتعاش
کتنا مگر ہے فلسفہ زندگی کچھ اور	مجھ پر کیا ہے مرشد کا مل نے راز فاش



باہر کمال اندر کے آشفنگی خوش است ہر چند عقل کل شدہ بے جنوں مباحث<sup>۱۰</sup>  
 آخری شعر مرزا بیدل کا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اقبال صرف بیدل  
 کی شاعری، اُن کے مخصوص انداز بیان یا طرز ادا سے ہی متاثر نہیں ہوئے  
 ہیں۔ بلکہ اُن کے فلسفہ حیات کے بھی قائل ہیں۔

بیدل ایک صوفی مشرب مفکر تھے۔ ان کے خاندان کے شیخ طریقت مولانا<sup>۱۱</sup>  
 شیخ کمال قادری تھے۔ بیدل کے چچا مرزا قلندر جہنوں نے بیدل کے والد  
 کی وفات کے بعد اس یتیم بچے کی پرورش کی تھی۔ شیخ کمال کے مرید تھے اور  
 انہیں کے ساتھ بیدل شیخ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ بیدل نے  
 اس زمانے کے حالات ”ہمارے عنصر“ میں بیان کئے ہیں۔ اُن سے اندازہ  
 لگایا جاسکتا ہے کہ بیدل اسی زمانے سے سلوک کی منزلیں طے کرنے لگے  
 تھے۔ ان کے علاوہ شاہ ملوک ایک بزرگ تھے۔ بیدل نے ان کی بہت سی کرامتوں  
 کا ذکر کیا ہے، جن سے ضمنی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ملوک کا مسلک وحدت وجودی تھا۔  
 اور ایک موقع پر انہوں نے مثنوی کے یہ اشعار بیدل کو سنائے تھے :-

۱۲ دیکھئے اردو میں بھی یہ خیال ذرا مختلف انداز میں یوں آیا ہے :-  
 اچھا ہے دل کے پاس رہے پاس بان عقل لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے  
 ۱۳ ”بیدل“، از خواجہ عباد اللہ ص ۱۱

ایں توئی ظاہر کہ پندار توئی ہست اندر توئی تو از بے توئی  
 توئی تو از دیگرے آید و فیں من غلامِ مردِ خود بینِ چین  
 شاہِ ملوک کے ذکر میں بیدل نے فقر کی تعریف اور فقیر کی شان  
 میں یہ شعر لکھے ہیں :-

لے لے لے روشن دلے کز بے نیا ز یہاں شوق  
 پھول فروغِ مہر بر خاکِ سیاہ افتادہ است  
 اے بسا آئینہ کز کسوتِ زنگاریش  
 یوسفستانے بخلوت گاہِ چاہ افتادہ است  
 معنی اقبال فکر از غافلاں پوشیدہ اند  
 ورنہ در ہر خاک چندیں دستگاہ افتادہ است  
 ہر کجا گردِ شکستے سرمہ آراید بچشم  
 بے تامل نگزری آنجا کلاہ افتادہ است  
 عالمے محل بدوش و ہم جولان می کند  
 کیست نہ فہم کہ منزل ہم براہ افتادہ است

اقبال کے یہاں صاحبِ نظر فقیر، قلندر یا مردِ مومن کی جو تشریح ہے  
 وہ اسی بیان کی تشریح ہے۔



تیسرے بزرگ شاہ فاضل ہیں جن کا ذکر بیدل بڑی عقیدت اور جذبے کے ساتھ کرتے ہیں۔ سترہ سال کی عمر میں بیدل کو شاہ ابوالقاسم ترمذی کا فیض صحبت نصیب ہوا۔ ان کے متعلق بیدل لکھتے ہیں :-

ع بودیم آنچہ بودیم، او وا نمود مارا

دہلی میں بیدل کو ایک اور مجذوب سے واسطہ پڑا جن کا نام کوئی نہیں جانتا تھا۔ لیکن سب شاہ کا بلی کہتے تھے۔ ان کے کشف و کرامات کے بہت سے واقعات بیدل نے بیان کئے ہیں۔ غرض بیدل کی تربیت اور سارا ذہنی نشو و نما انہیں بزرگوں اور صوفیوں کی صحبت کا مرہونِ منت ہے۔ اور ان کا تصوف محض رسمی، تقلیدی یا کتابی نہیں ہے۔ بلکہ راجع اور رسمی تصوف کے بارے میں ان کا رد عمل اس شعر سے واضح ہو جاتا ہے۔

د در مزاج خلق بے کاری ہو س می پرورد

خافلاں نامِ فضولی را تصوف کردہ اند

یعنی ایسا تصوف جو مزاجِ خلق میں ہوس کی پرورش کر لے، جو قوی کے اضمحلال کا باعث ہو۔ جس سے زندگی میں افسردگی یا پامالی کو فروغ ہو اور جو انسان کو زندگی کے مشاغل اور گھاگھی سے دور لے جائے، ایک فضول مسلک ہے۔ جسے خافلوں نے تصوف کا خوبصورت نام دے رکھا ہے۔ بیدل کا

یہی رجحان ہے۔ جس نے انہیں متاخرین ہندی صوفیاء سے ممتاز کیا ہے  
اور جس نے اقبال کو ان کا گرویدہ بنایا ہے۔

بنیادی طور پر بیدل بھی صوفیاء کے ایک طبقہ کی طرح وحدت وجود  
کے قائل ہیں۔ مختلف تصانیف میں بے شمار اشعار اس مسلک کی تائید  
میں ملتے ہیں۔

عالم ہمہ یک جلوة ذات احد است  
ایں جا نہ ہیوئی نہ صور نہ جسد است  
کثرت آثار چشم واکردن است  
ایں صفر چوں محو شد، ہماں یک عدد است

تخلیق کائنات میں ”عدد“ کی اہمیت کو سب سے پہلے چھٹی صدی قبل  
مسیح کے یونانی حکیم فیثاغورث نے واضح کیا تھا۔ لیکن اس کے یہاں مکمل ترین  
”عدد“ چار ہے اور وہ کائنات میں ”دوئی“ کا قائل ہے۔ اس کے نزدیک  
حیات حیوانی کے علاوہ کائنات میں مختلف صورتوں اور شکلوں میں حیات  
پائی جاتی ہے۔ اور یہ حیات اپنے مکمل یا نامکمل ہونے کے اعتبار سے ایک  
جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ بہر حال بیدل کی اس پامی  
میں وحدت وجود کے مسئلہ کو ایک لطیف پیرایہ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے



کہ اصل حقیقت ایک "اکائی" ہے۔ "واحد" ہے۔ "ہیولی"، صورت اور  
 جد دراصل صرف "عکس" یا "جلوہ" کا نام ہے۔ پھر سوال ہوگا کہ یہ کثرت  
 کیوں؟ جواب اس کا یہ ہے کہ 'صفر' کی اپنی کوئی قیمت نہیں ہوتی، لیکن  
 'اکائی' پر اسی صفر کا اضافہ ہو تو 'دس' کا عدد بن جائے گا۔ پھر اسی طرح  
 صفر بڑھاتے چلے جاؤ۔ سو، ہزار، دس ہزار، لاکھ، دس لاکھ، کروڑ  
 غرض جہاں تک چاہو بڑھتے جاؤ۔ پھر صفر نکالنا شروع کرو، آخر میں اکائی  
 رہ جائے گی۔ جب ہم آنکھ سے مشاہدہ کرتے ہیں تو آنکھ جو 'صفر' کی صورت  
 ہے وحدت میں کثرت کے جلوہ کا باعث بن جاتی ہے۔ اگر آنکھ بند کر لیں  
 تو یہ 'صفر' محو ہو جائے گا اور پھر ایک اکائی باقی رہ جائے گی۔  
 تبدیل نے وحدت اور کثرت کے اس تعلق کو بار بار اسی طرح  
 سمجھایا ہے :-

بہ شوخی برنمی آید دماغ نازیکمتائی  
 من از حیرت فرودم صفر بر انداز نیرنگش

یا بہ

داگردن چشم اینقدرم وہ ولہ دالہ  
 تبدیل بہ ہیں صفر فرودست حسابم

شکوئی "محیط اعظم" میں اس مسئلہ کی وضاحت اس طرح ملتی ہے :-

توئی قبلہ خود چو محرم شوی      تو محراب خویشی اگر خم شوی  
دریں گنبد بے در آسمان      ز بیگانه تا چند جوی نشان  
بچشم تو نقشے سوائے تو نیست      بگوش تو غیر از صدائے تو نیست  
بو ہم و گماں بر چہ پیچیدہ      چرا خویش را غیر فہیدہ  
گمانِ عدم، و ہم ہستی ز تست      خمار از تو، سرخوش مستی ز تست  
ز جائے دگر نیست این گفتگو      توئی انتشار غفلت و جستجو  
یکے ہمچو خم در گریبان خویش      نظر کن ہیں خوش طوفانِ خویش  
ز شور تو این بزم دارد خروش      ز خاموشی تست عالم خموش  
طلسم جہاں پردہ ساز تست      تھی از خود و پر ز آواز تست  
چہ و ماندرہ در غمِ این و آن      طلسم خیالی است نقش جہاں  
یہ وہی خیال ہے جو اردو میں صوفی شعرا مدت تک پیش کرتے  
رہے ہیں۔ تیر کے اشعار دیکھئے :-

تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا  
نور شید میں بھی اس کا ہی ذرہ ظہور تھا  
پہنچا جو آپ کو تو میں پہنچا خدا کے تیں



مطابق بیدل سے ملاقات کی اور صحبت رہی۔ رقعات بیدل کے آخر میں ایک رقعہ بہار کے کسی بزرگ کے نام کا ہے۔ جس کا آغاز ان لفظوں سے ہوا ہے۔

”نعیم عیش صوبہ بہار مبارک باد قبلہ از روئے بیدلاں  
ہر چند عبودیت قدیم بہ یسج جاے از ادائے خدمات  
سہر بر نمی آرد۔“

ان اقتباسات اور حالات سے ظاہر ہوگا کہ بیدل کو صوبہ بہار سے مودوثی تعلق تھا اور اگر اسکو عظیم آبادی کہنے میں تامل ہو تو ہماری کہنے میں مطلق تامل نہیں۔ اور اکثر قصبائی لوگ ہماری کہنے بجائے عظیم آبادی کہلاتے ہیں۔

آخر میں عظیم آباد پٹنہ کے شرفار کی زبان پر بیدل کے متوطن عظیم آباد ہونے کی جو کہانی سینہ بسینہ نقل ہوتی چلی آئی ہے۔ ہم اس کو ذکر کرتے ہیں۔ شاد عظیم آبادی اپنی تاریخ ”صوبہ بہار“ میں جس کو انہوں نے لکھا ہے ”مرزا عبدالقادر متخلص بیدل خاص عظیم آباد پٹنہ کے متوطن تھے۔“  
”ظاہر دانی اینائے روزگار کے سبب سے وطن کو چھوڑ کر عہد دولت شاہجہاں میں دہلی گئے اور وہاں نہایت معزز و مکرم ہوئے۔“

ہمز ما کس دگر نتواند بماند رسید  
 محیط است چوں جو گردد حباب  
 ز خود گم شدن جز و را کل کند  
 پیشتر ز آشوب کثرت وحدت ہم بودہ است  
 یاد آں موجیکہ در بیرون ایں دریا ندیم

اس قسم کے اشعار میں بیدل کی آواز اُن بے شمار صوفیاء کے ساتھ مل جاتی ہے۔ جنہوں نے وحدت وجود کے عقیدہ کے لازمی نتیجہ کے طور پر نقش جہاں کو طلسم خیالی سمجھا تھا۔ یہ وہ فلسفہ ہے جو بقول اقبال ”بود را نابود گفت“ کی تفسیر ہے۔ اس لئے شاید پہلی نظر میں یہ تعجب ہو کہ اس مسلک کے باوجود بیدل کیوں کر اقبال کے مرشد کامل ہو سکتے ہیں۔ لیکن ایسے بعض لمحات اقبال پر بھی گذرے ہیں۔ جن کو صوفیانہ تجربات (MYSTIC EXPERIENCES) سے ہی تعبیر کر سکتے ہیں۔ ایسے عالم میں اقبال کو بھی یہ سلام اعالم محض ایک طلسم و مجاز، آسمان محض ایک ردائے نیلگوں اور یہ دنیا محض جہان آب و گل نظر

۱۰ پھر نقاب سے سنہ :

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا  
 قطرہ میں وجہ دکھائی نہ مے اور ہمزو میں گل  
 ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ میں ہوتا تو کیا ہوتا  
 کھیل لڑکوں کا ہوا دیدہ بینا نہ ہوا



آتی تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اقبال نے بیدل کے فلسفہ اور حرکت سے جو اثر قبول کیا ہے وہ اس مسلک میں نہیں ہے۔ بلکہ بیدل کے یہاں انسان کی عظمت، رہبانیت کے خلافت رد عمل، علم کی حقیقت، اصل معرفت، عقل اور جنون، خودداری، خود نگری اور خود شناسی اور سب سے بڑھ کر جذبہ و جہد اور تب و تاب کے جو گہرائے نایاب ہیں، اقبال انہیں کے خمریہ راہ ہوئے ہیں۔ اور اسی متاعِ بے بہا سے انہوں نے اپنی دوکان سجائی ہے۔ بیدل کے فلسفہ کا خلاصہ یہ ہے کہ "کل کائنات کلمات ہیں"۔

قل لو کان البحر مداداً لکھت مرابی الایہ (کہت۔ ع۔ ۱۲)

بہ رنگ آیات حرف ست و بس      نفس در عبارات حرف ست و بس  
حقیقت کہ آں سوئے ما و من است      چو بے پردہ شد حرف پیرا ہن است  
چہ مقدار بیتاب اظہار شد      کہ آخر در انساں نمودار شد  
تمام کائنات ایک کتاب ہے۔ حروف ہیں یا کلمات ہیں، اشیائے کائنات  
یا ان کے تصورات جو ہمارے قلب میں ہیں۔ اور جن کو ہم خیالات سے موسوم  
کرتے ہیں۔ فی الحقیقت حروف ہیں جن کے ذریعہ اشیائے کائنات ہم سے

۱۰ "بیدل" خواجہ عباد اللہ۔ ص ۳۳

ہم کلام ہو کر اپنا مافی الضمیر واضح کرتی ہیں۔ کتاب کائنات کا مصور ہے اور یہ تصویر سی حروف یعنی اشیا کی صورتیں ہم دیکھتے اور سنتے ہیں، ”یہ کائنات عالم غیب و شہادت ہے۔ عالم غیب میں یہی سخن حقیقت ہے اور شہادت میں حجاز سے موسوم ہے۔“ ..... یہی حقیقت جمادات میں خاموش ہے اور نباتات میں نفس اور حیوانات میں آواز اور انسان میں لغات کی صورت میں مشاہدہ ہوتی ہے، دنیا کیا ہے؟ اس کے سخن کے الفاظ کی صورت، عجبی کیا ہے؟ اسی کے معنی کا مشاہدہ ..... اسی سے جہان زندہ ہے۔ اور یہی روح کائنات ہے۔“ لہ

یہ اور اسی طرح کے مسائل اقبال کے فکری نظام سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ اور بیدل کے کلام میں ایسے عناصر موجود ہیں جو اقبال کے کلام اور اسلام کی اسپرٹ کے منافی ہیں۔ اقبال نے اپنے خطبات میں ایک جگہ لکھا ہے کہ اسلام کے خلاف بعض نئی تحریکات خود مسلمانوں کی کاوش کا نتیجہ ہیں۔ ان مسلمانوں میں ترکی شاعر توفیق فطرت بھی ہیں۔ جنہوں نے اپنی اس تحریک کی تائید کے لئے مرزا عبد القادر بیدل کا سہارا لیا ہے۔<sup>۱۹</sup> لیکن ان مسائل سے



ہٹ کر اقبال اور بیدل میں بڑی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ مثلاً صوفی ہونے کے باوجود بیدل متاخرین متصوفین کی طرح اپنے آپ کو شرع کی حدود اور پابندیوں سے آزاد نہیں سمجھتے تھے۔ ایسے لوگوں کے لئے جو باوجود قدرتِ عمل، بیکارمی اور کاہلی اور تن آسانی اختیار کرتے ہیں یا دیوانہ بنتے ہیں کہ تکالیف شرعیہ سے معذور سمجھے جائیں۔ بیدل اپنے پیر و مرشد مولانا شیخ کمال الدین کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں :-

تاما نہ گردند خاکِ جادۂ شرع

گر ہمہ منزل اند گمراہ اند

اس سے ظاہر ہے کہ بیدل کے نزدیک صوفیاء کا اسلام کوئی الگ چیز نہیں اور نہ شریعت اور طریقت کوئی ایسے دو راستے ہیں، جو ایک دوسرے سے الگ الگ ہوں۔ یہیں سے بیدل کا صوفیانہ مسلک اکثر متاخرین ہندی صوفیاء کے عام رنگ سے الگ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ریاضتِ جسمانی کی بحث آتی ہے۔ بیدل کہتے ہیں :-

گر عین و گراقتباس دریافتہ در انجمنِ حواس دریافتہ

بر دامنِ جسمِ پاک، تحقیر مدوز حق را بہ ہمیں لباس دریافتہ

”نکات“ میں اس کی وضاحت نثر میں یوں کی ہے :-

”ریاضت صفائی باطن می آرد بشرط اعتدال، و ضعف  
بر قوی می گزارد با فراط کمال، مدعا این مواد فاسدہ را باصلاح  
آوردن است نہ اجزائے صالح را نیز فاسد کردن۔ ایں جا  
از نگار از طبیعت زدودن است نہ آئینہ بہ مشق صیقل فرسودہ۔  
بحکم قدر دانی وجود از انبیاء پیچ کس بہ ریاضات شاقہ نداشت  
الا بقدر اصلاح مزاج و خورد خورد نیز پرداخت مگر بمقدار ضرورت  
احتیاج۔“

بنیاد جسد کہ کار گاہ اسماست      رونے دوز حکمتِ طبیعی برپاست  
بر صوم و صلوٰۃ بر میفرز کاینجا      تعدیل بہ ہر امر کمال عرفاست  
بیدل جو ’جسد‘ اور ’جسم‘ کا اتنا احترام کرتے ہیں۔ ظاہر ہے ’عظمتِ  
آدم‘ کے کیونکر منکر ہو سکتے تھے۔ اس احساس کی ترجمانی دیکھئے :-  
انساں کہ فلک ہاست سر افلندہ او      در حیرت او گم است دانندہ او  
دارد خاصیت کہ در خارج و ذہن      ہر چیز کہ آفریدہ شد بندہ او  
ہر چیز جو پیدا کی گئی، انسان کی غلام ہے۔ عظمتِ آدم اور منصبِ  
آدم کا یہ وہی نغمہ ہے، جس کی بازگشت ہمیں ”اسرارہ رموز“ اور اقبال کے  
سارے کلام میں ملتی ہے۔ بیدل کے کچھ اور اشعار ہیں :-



طالب صحبت معنی نظراں باید بود

خاک در صحن بہشتی کہ نہ دارد آدم!

اصل چیز صاحب ادراک اور اہل نظر کی صحبت ہے، اسی کا طالب  
ہونا چاہئے۔ جنت جس میں حوریں ہیں، زمرد اور جواہر کے قصر ہیں۔ دودھ

اور شہد کی نہریں ہیں۔ اگر آدم وہاں نہ ہو تو خاک ایسی جنت پر!

ہر دو عالم خاک شد تا بست نقش آدمی

اے بہادر نیستی از قدر خود ہشیار باش

یہ وہی مفہوم ہے جسے میر نے اپنے تئیکے انداز میں اس طرح ادا کیا ہے۔

مست سہل ہمیں جانو، پھر تاسے فلک برسوں

تب خاک کے پردہ سے انسان نکلتے ہیں

اور اقبال کا یہ شعر ہے

آیہ کائنات کا معنی دیر یاب تو

نکلے نرئی تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو

بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

عافیت دور است از نقش بنائے عمری

خوں بود رنگے کز و تصویر انساں می شود

مردعا دل بود اگر نیرنگ! مکاں ریختند

بہر ایں یک قطرہ خوں رنگِ طوفاں ریختند

متاع ہستی دارم پیرس از بود و نابودش

بصد آتش قیامت می کنی گر واکنی دودش

” نکات “ میں حقیقت کائنات بیان کرتے ہوئے بیدل نے منصب

آدم کی وضاحت یوں کی ہے -

آں نغمہ بے نشانی پردہ راز

کہ انساں زبوائے اوست مخرج پرواز

در آئینہ جماد موج رنگ است

در طبع نبات بوئے، حیواں آواز

آتش در طبع جماد برق آں حقیقت است چراغ افروز خلوت خانہ

غیب، و ہوا در مزاج نبات نفس زدن آں اسرار یعنی ریاحین ارواح

بے شبہ و ریب، صدا در طینت حیواں نمود مثالش در تمہید عرض مراتب

و مازاج، و سخن در ذات انساں شہود نمائش کسوت آرائے دستگاہ مخارج،

پس آفاق معمائے سخن است فاما نا مفتوح و انسان عبادت آں در کمال

تصریح و وضوح، ہر گاہ تامل انسان کہ گریبان اسرار موالید و عناصر است



اے لوگو! خیال باطن و ظاہر بہ تحقیق آں نفس توجہ گمارد نقاب جمع مراتبش  
از نفاس موبہومہ خود بر میدارد یعنی نفس انسانی در جہان نیرنگی مادہ  
ظہور اسما را است۔

بہ رنگ آفاق حرفت و بس      نفس در عبارات حرفت و بس  
حقیقت کہ آنسو گہ ما و نیست      چو بے پردہ شد حرف پیراہنست  
چہ مقدار بیتاب اظہار شد      کہ آخر در انساں نمودار شد  
بہ تحقیق خویش است پیچید نش      در انساں نمودار گر دیدنش  
ایک غزل کا مقطع ہے :-

ز حسد نمی آید دنی بعروج فطرت بیدلی  
تو مسلم ملکوت مژگو کہ نہ حریف کمال او  
ایک دوسری غزل کے دو شعر ہیں :-

بیخبر از خود گذر جانپ دل اہم نظرے  
اے چہستانِ جمال آئینہ دارد سحرے  
نیست دریں ہفت چمن چو قنات لے غنچہ دہن  
گلبن نیرنگ گلے، سر و قیامت شرے

وہ آدم جس کا یہ منصب ہے۔ جو اس عظمت کا حامل اور اس دولت

امین ہے۔ جو سلسلہ کائنات میں ارتقا کی ایک بلند کڑی ہے۔ خود جدوجہد اور تنب و تاب کا پتلا ہے۔ بیدل کے فلسفہ میں حرکت اور عمل کا یہی پہلو ہے جس نے اقبال کو ان کا مرید بنالیا ہے۔ بیدل کا ایک شعر ہے :-

موج دریا را بساحل ہمنشینی مشکل است

بیقراران نذر منزل کردہ اند آرام را

اسی کی بازگشت اقبال کے ان اشعار میں دیکھئے :-

ساحلے افتادہ گفت گر پر بے نیستم

ہیچ نہ معلوم شد آہ کہ من کیستم

موج نہ خود رفتہ تیز خرامید و گفت

ہستم اگر می روم گر نہ روم نیستم

بیدل نے نئے نئے انداز سے اس خیال کی ترجمانی کی ہے :-

ہرا الہیچ و تاب آرزو این نکته روشن شد

کہ در راہ طلب معراج دامانست چیدن ہا

گر ہمہ بر خاک پیچد عشق، حسن آرد بروں

کوشش فرہاد آخر کرد شیریں سنگ را

مقام وصل نایاب است راہ سعی ناپیدا



چہ می کردیم یارب گرنہ دے نارسیدن با

اس مصرع میں جس انداز سے نارسانی کی زولت اور کرامت کا ذکر ہے، اس کا عکس اقبال کے یہاں بھی بار بار ملتا ہے۔ فراق سے عشق کی آگ بھڑکتی رہتی ہے۔ وصل اس کے لئے پیام مرگ ہے۔ بیدل لکھتے ہیں:-

و وصل مدعا سعی طلب یاد رس می گردد

بہ بیکاری رساند التیام زخم مرہم را

سایہ دور از آفتاب مغنم خود است و بس

طالب وصل او شدن صرفہ من نمی کند

چو تخم اشک بکلفت سرشته اند مرا

بہ ناامیدی جاوید کشتہ اند مرا

طلسم حیرتیم یک نفس قرارم نیست

بہ آب آئینہ دل سرشته اند مرا

یہی بیقراری بہیم اقبال کے فلسفہ حیات و حرکت کی جان ہے۔

فلک شکار کند است سرنگونی من

ندام از خیم زلف کہ رشتہ اند مرا

پہلا مصرع اقبال کے یہاں کتنا شوخ اور ہکھرا ہوا ہے۔

یزدداں بہ کندہ آور اے ہمت مردانہ

بیدل ایک شعر میں تن آسانی سے نفرت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں :-

دایغ شوقم ، نیست الفت باتن آسانی مرا

پیش و تاب شعلہ باشد نقش پیشانی مرا

طارق فاتح اندلس نے ساحل پر اترنے کے بعد اپنا سفینہ جلا دیا تھا،

کہ سفینہ کی موجودگی شاید فرار کا سہارا بنی یا ارادے میں اضمحلال پیدا کرتی،

سفینہ جل گیا تو پھر فتح یا شہادت دو ہی صورتیں رہ گئیں۔ اقبال نے اسی

واقعہ کو ایک نظم کا موضوع بنایا ہے۔ بیدل نے بھی 'شکستن کشتی' کو ہی

'ساحل امن' قرار دیا ہے۔

بجز کشتی شکستن ساحل امنی باشد

کہ از وسعت فرو بردہ است این دریا کرا نیما

موز ساحل کی علامتیں بیدل کے یہاں بار بار آتی ہیں۔

بوخن در بغل ما ہمہ بیرون دریم

بحر چند آنکہ زند موج کنارست این جا

۱۵ دراصل یہ سلسلہ بہت دور پہنچتا ہے۔ رومی فرماتے ہیں ۱۵

بہریر کنگرہ کہر باشش مردانند فرشتہ صید و ملائک شکار و یزدداں گیر



ز بیقراری ما فارغست خاطر یار  
دل مگر چہ خبر دارد از طپیدن موج  
تا نمی گردد تب و تاب نفسها بر طرف  
میدمہ اجزائے ما چوں موج دریا ہر طرف

زندگی در اصل نام ہی اس جدوجہد، غم و غم اور حرکت مسلسل کا ہے۔  
اقبال نے بار بار جس طرح اس مسئلہ پر زور دیا ہے، وہ تشریح کا محتاج  
نہیں۔ بیدل کے یہاں یہ رنگ دیکھیے :

زندگی محمل کش و ہم دو عالم آرزوست  
می طپد در یک نفس صد کارواں از یک دلا  
باغِ جاں سختی ما سبزۂ جوہر دارد  
بیتوں می شود آب از شرر تیشہ ما  
جرات پرواز برقِ خرمن آسودگیست  
یکجہاں آشفتنگی در بال و پر داریم ما

ارتقا کی یہ طلب اور فروغ کا یہ جذبہ کائنات میں ہر جگہ کار فرما ہے۔

ہر کفِ خاک کے بجوش صد گداز آمادہ است  
یک قلم اجزائے ایں میخانہ صہبا کرد نیست

جب ہر کفِ نَمَک میں گداز ہونے کے لئے یہ جوش اور ولولہ موجود ہے تو ظاہر ہے انسان ہو کائنات کا نقشِ حسین ہے اس میں یہ جوش اور ولولہ اسی نسبت سے قوی تر اور واضح تر ہونا چاہئے۔ یہ جوش اور ولولہ، یہ آگے بڑھنے کی تمنا اس لئے ہے کہ انسان ابھی تکمیل کی منزل سے دور ہے۔

یہ کائنات ابھی نا تمام ہے شاید  
کہ آ رہی ہے دِ مَادِ مِ صَدائے کن فیکون

بیدل اسی خیال کو بڑے شاعرانہ انداز میں اس طرح ادا کرتے ہیں :-

نیا مدست شرابے بعرضِ شوخی رنگ  
جہاں ہنوز سیہ مست سایہ تاک است

جب محض سایہ تاک کے اثر سے سیہ مستی کا یہ عالم ہے تو معلوم نہیں جب شراب اپنا رنگ نکھار کر پختہ آتشِ سیال بن کر رگ و پے میں سکائے گی تو میکشوں کا کیا عالم ہوگا۔

بہشت کے متعلق عام احساس یہ ہے کہ وہ ایسا عالم ہوگا، جہاں راحت ہی راحت اور سکون ہی سکون ہے۔ جہاں موسم کے سرد و گرم یا پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لئے جدوجہد سے نجات مل جائے گی۔ دُودھ اور شہد کی نہریں جاری ہوں گی، ہیرے اور زمرہ کے قصر ہوں گے۔ جنتیوں کی خدمت



کے لئے حوریں اور غلمان ہوں گے۔ کوئی خوف، کوئی کھٹکا نہ ہوگا۔ کوئی  
طلب، کوئی آرزو و تشنہ تکمیل نہ رہے گی۔ لیکن اس کی یکسانیت، اس جہان  
کی بے کیف یک رنگی۔ اس کا درد و سوز و سازِ آرزو سے محروم ہونا۔  
یہ کون برداشت کر سکتا ہے؟ بیدل کہتے ہیں۔

گویند بہشت است ہمہ راحت جاوید  
جائیکہ بد اخت نہ طید دل چہ مقام است  
ایک خیال یہ ہے کہ دنیا ایک امتحان یا آزمائش گاہ ہے۔ یہاں ذوق  
و شوق کی بھی آزمائش ہے اور تابِ نظر کی بھی، ہمت اور جرأت کی بھی۔  
بیدل کا ایک شعر ہے :-

کدام جلوہ کہ نگذشت ازیں سرانے غرور  
تو ہم بتاز کہ میدان امتحاں خالیست  
راہرو کا منزل تک جا پہنچنا ہی کامیابی اور کامرانی کی دلیل سمجھا جاتا  
ہے۔ لیکن جو راہی سفر کو ہی اپنی منزل سمجھے، اس کے نزدیک منزل تک پہنچنا  
تھک کر بیٹھنا ہے۔

بوادی کہ طلب نارسائے مقصد اوست  
بہوش باش کہ منزل رسیدگاں لنگ اند

ایک اور شعر ہے :-

شمع تصویرِ ہم پر س از دودِ داغِ حشر تم  
اشک من عمرِ یست ناگر دیدہ را ہے میرود

تکمیل آرزو کے بعد زندگی کا سلسلہ صرف اسی طرح جاری رہ سکتا ہے کہ کوئی  
دوسری آرزو پیدا ہو جائے اور اسی طرح چراغ سے چراغ جلتا رہے۔ رہبرِ شوق  
منزل قبول نہیں کرتا۔ اقبال نے سلطانِ ٹیپو کے پیغام میں لکھا ہے :-  
تو رہ نورِ شوق ہے منزل نہ کر قبول  
بلی بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول  
بیدل کا یہ شعر دیکھئے :-

در عشق ز پروازِ ہوس آئینہ برگیر  
ہر چند رہت قطع شود باز ز سرگیر  
حدیہ ہے کہ مرنے کے بعد بھی اس تنگ و تاز میں کمی نہیں آ سکتی :-  
بے غبار نے نیست ہر جامتِ خاک کے دیدہ ام  
شد یقین کہ بعد مردن ہم نخی میرد ہوس  
جس ذرہ کے دل میں یہ جوش پرواز ہو وہ اپنی آزادی اور تسکین  
ذوقِ پرواز کے لئے خود سحر پیدا کر لیتا ہے۔



عرصہ آزادی از جوش غبارم تنگ بود

بر سہر خود دامن افشاند و صحرا شرم

”اسرار“ کے پیش لفظ میں اقبال نے پیر رومی کا ایک قطعہ نقل کیا ہے :-

دی شیخ با چراغ، ہی گشت گردِ شہر

کز دام و دود ملولم و انسانم آرزو ست

زیں ہمراہانِ ست عناصر دلم گرفت

شیر خدا و رستم دستاخم آرزو ست

گفتم کہ یافت می نشود جب نہ ایم ما

گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزو ست

بیدل نے اسی خیال کو بڑی شاعرانہ نزاکت کے ساتھ یوں ادا کیا ہے :-

موج دریا در کنارم از تنگ و پلویم پیرس

آنچہ من گم کردہ ام نایا فتن گم کردہ ام

مرزا بیدل کے کلام میں افسردگی اور فشارِ جگر جس ہمت، اولوالعزمی

بلند فطرتی، حرکت اور عمل پریم کا پیغام ملتا ہے۔ اس کا ایک سبب تو ان

کی افتادِ طبع ہے، کہ ہر جگہ بلندی کی طرف مائل ہے۔ ان کا تخیل نہ صرف بلند

پرواز بلکہ کسی حد تک بیباک ہے۔ شیفۃ نے ایک جگہ ناسخ کے کلام کی

تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”طاثر بلند پرواز خیالش جز بشاخ سدرہ  
 اشیاں نسا زد۔“ ناسخ کے یہاں تو یہ بلند پروازی کچھ یوں ہی سی ہے۔  
 زیادہ سے زیادہ اسے خیالی بھول بھلیوں میں بھٹکانا سمجھ لیجئے۔ مرزا ان کے  
 اشعار میں بہت کم ہے۔ اس لئے یہ فقرہ ناسخ سے کہیں زیادہ مرزا بیدل  
 کے لئے موزوں و مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ان کے تخیل کی بلند پروازی  
 محض واہمہ نہیں ہے۔ اس میں مغز ہے، وزن اور وقار ہے، گرا نیا لگی ہے۔  
 حکمت اور فلسفہ کی گہرائی اور گیرائی ہے۔ وہ شاعر سے زیادہ حکیم ہیں۔ اسی لئے  
 کبھی کبھی شاعرانہ زبان اور اسلوب بیان کا جامہ ان کے خیالات پر تنگ  
 ہو جاتا ہے۔ اور یہی حال ان کے فرزند معنوی مرزا اسد اللہ خاں غالب کا ہے۔  
 علامہ اقبال بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہیں۔ انہوں نے مرزا غالب  
 کے تخیل کی بلندی کے بارے میں جو لکھا ہے وہ بڑی حد تک مرزا بیدل  
 پر صادق آتا ہے۔ یہی رفعت پسندی بیدل کے اس رنگ طبیعت کی ذمہ دار  
 ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بیدل کی پیدائش ۱۷۷۷ء میں ہوئی۔ یہ  
 شاہجہان کا عہد تھا۔ جب سلطنت مغلیہ اپنے عروج اور شباب پر تھی۔ اس  
 دور میں ہندی مسلمانوں کے تخیل کی رفعت پسندی تاج محل کے روپ میں  
 معراج کمال کو پہنچتی ہے۔ پھر بیدل نے اورنگ زیب کا عہد دیکھا جس نے



اپنی ساری عمر درویشی اور مجاہدہ میں گزاری۔ مرزا بیدل اور نگ زیب  
 کے بڑے مقصد معلوم ہوتے ہیں۔ مشنہ میں جب اورنگ زیب نے بیجا پور  
 اور دوسرے سال میں گولکنڈہ فتح کیا تو مرزا نے نواب شکر اللہ خاں کی  
 معرفت ایک قطعہ تہنیت پیش کیا۔ لیکن اس کا مقصد کوئی صلہ حاصل کرنا  
 نہیں تھا۔ اپنی بے نیازی کا اظہار بڑی ہرأت سے ان الفاظ میں کیا ہے :-  
 ”لِلّٰہِ الْمَدِّ اِنْ شِیْئَہُ وَاَنَا کُوْبَہَا نہ جوئے تقریبے است کہ باا وسیلہ  
 تحفہ فقرا پیش گزار دیا مصرعے در آنجناب معروض دارد و گر نہ چہ  
 نواب و کد ام منتطاب بلکہ چہ عالمگیر و کد ام بدر منیر بطریق شوق بے پردا  
 نگاشتنی دارد و آہنگ ساز بے نیازی سر از پردہ بر می آرد“ لہ  
 غالباً مرزا بیدل کا یہ شعر اسی موقع پر ان کے حسب حال ہے :-  
 ساحل کہ اصل طینش از جوش تشنگی است  
 دریا ست در کنار و لبش تر نے شود

بیدل کے کلام کے بعض اور عناصر میں اقبال سے فکری ہم آہنگی ملتی  
 ہے۔ مثلاً معرفت خودی۔ ”بانگ درا“ کا وہ بند پیش نظر رکھیے جو اس

مصرع سے شروع ہوتا ہے۔

ح ۴ تئنا اپنی حقیقت سے ہولے دہقان ورا

اور اس کے بعد بیدل کی یہ غزل پڑھئے :-

ستم است گریوست کشد کہ بہ سیر سر دوسمن در آ  
تو ز غنچہ کم نہ دیدہ در دل کشا بہ چمن دلا  
پئے نافہ ہائے رمیدہ بویسند ز حمت جنت و جو  
بحیال حلقہ زلف او گرے خور و بہ خلق در آ  
نفس است اگر نہ فسوں دہد بہ تعلق ہو س جسر  
رہ دامن تو ہمیکشد کہ دریں رباط کہن در آ

ایک رباعی میں فرماتے ہیں :-

اشیا عرض خیال دیدن بود دست اسما ہمہ افسانہ شنیدن بود دست  
ایں جملہ ز خود بروں و دیدن بود دست اتساں گشتن بخود رسیدن بود دست  
یہ انداز معرفت نفس سوفیا کے اس مسلک سے مختلف ہے کہ جس  
نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ یہاں انسانیت کا دار و  
مدار اس پر ہے کہ انسان خود ہیں، خود نگر اور خود آگاہ ہو۔ انبیال نے  
ان چیزوں پر بار بار زور دیا ہے۔ بیدل لکھتے ہیں :-



ز سیر عالم دل غافلیم ورنہ حباب  
 سرے اگر بگریباں فرو برد دریا ست  
 اسے پڑھ کر ہمارا ذہن اقبال کے اس مصرعہ کی طرف منتقل ہوتا ہے :-  
 ع قطرہ ہے لیکن مثال بحر بے پایاں بھی ہے  
 اقبال کا ایک اور مشہور شعر ہے :-

یہ ہے مقصدِ گردشِ روزگار کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار  
 یا ع وانمودن خویش را خوںِ خودیست  
 بیدل کی یہ منزل اسی جوشِ نمود کی ترجمان ہے :-

ہر دل از نال بہارِ اثرے میخوابد	ریشہ پیرانی ہر تخم پرے میخوابد
ہر کجائیت گل پیرہن رنگِ درید	نیست پوشیدہ کہ از خود سفرے میخوابد
اضطرابِ پردہ بال آئینہ پر داز بست	باز گردیدن مزگاں اثرے میخوابد
قطرہ ہر گاہ کشد سر بہوائے نیماں	شوقِ جہیت وضعِ گہرے میخوابد
ہر کجائیت پر دمزدہ دیدالے ہست	ہر کجاول طیشِ آرد خبرے میخوابد
برق ہر جلوہ تقاضائی ناز و گہرست	عرضِ نورشید غبارِ سحرے میخوابد

اور یہ اشعار بھی اسی جذبے کے ترجمان ہیں :-

چہ نقشہا کہ نشد جلوہ گر ز پردہ شوق      چہ رنگہا کہ ندارد طلسمِ غنچہ زوق

ہمیں نفس کہ غبارِ تعلق دہی ست ہزار پیچ و خم آوردہ شد بگردن طوق  
عقل اور جنوں کے تعلق کے بارے میں اقبال کی جو نظم اس بحث  
کے آغاز میں نقل ہوئی اس میں بیدل کا یہ شعر نظم کی بنیاد ہے :-

با ہر کمال اندکے آشفتنگی خوش است

ہر چند عقل کل شدہ بے جنوں منباش

بیدل کے یہاں اس خیال کی بار بار تکرار ملتی ہے۔

درد سر جہان رنگ درخور دانش است و بس

نیست بکسب حافیت غیر جنوں مفید ما

اسی طرح فکر کی عظمت، علم ظاہر اور علم باطن کی حقیقت، طلب اور

سوال کی مذمت، خود داری، آزادی، استغنا وغیرہ کے بکثرت مضامین

ہیں جو اقبال اور بیدل کے یہاں مشترک نظر آتے ہیں۔ بیدل نے زمان و مکان

کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے۔ لیکن اس بارے میں اقبال کے نظریات

بیدل سے مختلف ہیں۔

(ڈاکٹر ابوالکلیث صدیقی)



نظم





# انتخاب

تم است گر ہوست کشد کہ بہ سیر سر و سمن در آ  
تو ز غنچہ کم نہ دمیدہ در دل کشا بہ چمن در آ  
پئے نافہ ہائے رسیدہ بو پسند ز حمت جستجو  
بہ خیال حلقہ زلف او گر ہے خور و بہ ختن در آ  
غم انتظار تو بردہ ام بردہ خیال تو مردہ ام  
قدمے بہ پرکشش من کشا نفیہ چو جاں بہ بدن در آ  
ز سروش محفل کبریا ہمہ وقت می رسد این ندا  
کہ بہ خلوت ادب وفا ز در بر من نہ شدن در آ

---

بہ خیال چشم کہ می زند قدح جنوں دل تنگ ما  
کہ ہزار میکہد می دور بہ رکاب گریزش رنگ ما

ز غبارِ بیدلِ ناتواں دلِ نازکت نشود گمراں  
 کہ رود زیاد تو خود به خود چو نفس ز آئینہ زنگِ ما

---

شش جہت آئینہ دار شوخی اظہار اوست  
 نیست جز مژگاںِ حجابے را کہ برداریم ما  
 تا نگاہے گل کند ذوق تماشا رفته است  
 چوں شرر سامانِ فرصتِ این قدر داریم ما

---

اثر گم کرده آہنگم پیرس از عندلیبِ من  
 دریں گلشنِ نفس می سوزم از آتشِ نوائیما

---

ہمہ عمر با تو تدرج زدیم و نہ رفت رنجِ خارِ ما  
 چہ قیامتے کہ نہ می رسی ز کنارِ ما بہ کنارِ ما  
 چو غبارِ نالہ بہ نیستاںِ نزدیکِ گامے ز امتحاں  
 کہ ز خود گذشتنِ مانہ شد بہ ہزارِ کوچہ دوچارِ ما



ہمہ را بہ عالم بے خودی قدیمیت از سئے عافیت  
 سر و برگ گردش ما بہ ہیں چہ خط کشد بہ حصار ما  
 صف رنگ لاله ہم شکن مئے جوش گل بہ زین فغن  
 بہ بہار دامن ناز زن زحنائے دست نگار ما  
 نہ بدامن ز جبار نہ بہ دستگاہ دعا رسد  
 چو رسد بہ نسبت پار سار کف دست آبلہ دار ما  
 دل ناتواں بہ کجا بردالم تردد عا جزی  
 کہ چو سبھ ہر قدم اوفقد بہ ہزار آبلہ کار ما

بہ نمود ہستی بے اثر چہ نقاب شق کم از حی  
 تو مگر بہ من نظرے کنی کہ دے عرق کم از حیا  
 اگر دم دہد خط امتحاں ہوس کتاب نہ آساں  
 مژہ بر ہم آرم الزین و آں ہمہ یک ورق کم از حیا

اگر بہ گلشن ز ناز گردد قد بلند تو جلوہ فرما  
 ز پیکر سرو موج تجلت شود نمایاں چو مئے زمینا

ز چٹم مستی اگر نیاید قبول کیفیت نگاہے  
 طرد ز مستی برون آئینہ نقش جو ہر پتو موج صہبا

نخواند طفل جنوں مزا جم خط ز پست و بلند، مستی  
 شوم فلاطون ملک دانش اگر شناسیم از کف پا  
 بہ صبح صورت از دور گردوں نصیب مانیت سر بلندی  
 ز بزم مردن مگر نیسم غبار مارا برد بہ بالا

نہ شام مارا سحر نویدی، نہ صبح مارا دم سپیدی  
 چو حاصل ماست ناامیدی، غبار دنیا بہ فرق عقلی  
 رسیدی از دیدہ بے تامل گذشتی آخر بہ صد تغافل  
 اگر نہ دیدی طپیدن دل شنیدنی داشت نالہ ما

بہ ہر کجا ناز سر بر آرد نیاز ہم پائے کم نہ دارد  
 لود خراے و صد تغافل، من و نگاہے و صد تمنا  
 باولیں جلوہ: ات ز دلہا رسید صبر و گداخت طاقت  
 کجاست آئینہ تا نگردد غبار حیرت دریں تماشا

بہ دور پیانہ نگاہت اگر ز ندافت مے فروشی  
 نفس بہ رنگ مکند پیچ ز موج مے در گلوئے مینا



شور جنوں در قضا باہمہ بیگانہ بر آ  
 یک دو نفس نالہ شو از دل دیوانہ بر آ  
 تاب و تب سبھ بھل رشتہ ز تار گسل  
 قطرہ مے جوش زن بر خط پیمانہ بر آ  
 اشک کشتہ تا کجا ساغر ناموس حیا  
 شیشہ بہ بازار شکن اندکے از خانہ بر آ  
 نیست خرابات جنوں عرصہ جولانِ فصول  
 لغزشِ مستانہ خوش است آبلہ پیمانہ بر آ  
 تاز خودت نیست خیر در تہ خاکست نظر  
 یک مژہ بر خویش کشا گنج زویرانہ بر آ  
 ما و منِ عالمِ دواں جملہ فریب است و فصول  
 رو بہ در خانہ زن از کلفتِ افسانہ بر آ

در کہنہ تو آگاہی و غفلت ہمہ مغدور دریا ز میاں غافل و ساحل ز کراہنا  
 جز نالہ بہ بازار تو دیگر چہ فروشم اینست متاعِ جگر خستہ دکاہنا

چو تخم اشک به کلفت سرشته اند مرا      به ناامیدی جاوید گشته اند مرا  
 طلسم حیرتیم یک نفس قرائت نیست      به آب آئینه دل سرشته اند مرا  
 فلک آشکار کند ست سرنگونی من      ندانم از خم زلف که رشته اند مرا

نه شد درین درسگاهِ عبرت به فهم چندین رساله پیدا  
 جوتن سواشے که کردم امشب ز سیر اوراق لاله پیدا  
 اگر به صدر رنگ پر ختام ز دام جستن نه می توانم  
 که کرد پر واز بے نشانم چو بال طاووس هاله پیدا  
 قبول انعام بدمشاهاں بخود گوارا بگیر بیدل  
 که می شوند این گلو خراشاں چو استخوان از نواله پیدا

احتیاج خود شناسی جوهر آئینه نیست  
 من اگر خود را نه می دانم تو می دانی مرا

مقام وصل نایاب است و راه سعی ناپیدا  
 چه می کردیم یارب گر نه بودی نارسیدن با



زیرنگِ فیوں پردازئی الفت چہ می پرسی  
 تو در آغوشی و من کشته از دور دیدن ہا  
 دریں گلشن کہ رنگش ریختند از گفتگو بیدل  
 شنیدن ہاست دیدن ہا و دیدن ہا شنیدن ہا

از برگ ساز قافلہ بے خوداں میرس  
 بے نالہ می رود جرس کاروان ما

بر امید وصل مشکل نیست قطع زندگی  
 شوق منزل می کنار نہ بیک راہ دورا

بیدل از بال و پر بستہ نیاید پرواز  
 غنچہ تماوا نہ شود جلوہ نہ بخشد بو را

با کمال اتحاد از وصل مجوریم ما  
 ہم چو ساغر مے بہ لب داریم و مخوریم ما  
 پر تو خورشید جز در خاک نتواں یافتن  
 یک زمین و آسماں از اصل خود دوریم ما  
 بحر در آغوش و موج ما مست محوے بر کنار  
 کار ہا با عشق بے پرواست و معذوریم ما

علاجِ زخمِ دل از گریہ کے ممکن بود بیدل  
 بہ شبنم بخیه نتوان کرد چاکِ دامن گل را

موجِ دریا را بہ ساحلِ ہم نشینی مشکل است  
 بیقرارانِ نذرِ منزلِ کردہ اند آرام را

زندگیِ محملِ کش و ہم دو عالم آرزوست  
 می تپد در یک نفس صد کاروانِ از یک درم

جراتِ پروازِ برقِ خرمین آسودگیست  
 یک جہاںِ آشفتنگی در بالِ و پر داریم ما

بدلِ نقشے نمی بندد کہ با وحشت نہ پیوندد  
 نمی دامنِ کدائی یوفا آئینہ چید اینجا

از ستمدیدی طالعِ من ہیچ میرس  
 آنچه پیش تو نگاہست خدنگ است اینجا

بیدلِ من و بیکاریِ مستوق تراشی  
 جز شوقِ برہمن صنم نیست در اینجا



ہستی بہ پیش رفت و اثر نیست نفس را      فریاد کنیں قافلہ بردند جو کس را  
ہر دل نہ برد چاشنی از دردِ محبت      این آتش نیرنگ نہ سوزد ہمہ کس را

درہائے فردوس و ابود امروز      از بے دماغی گفتیم - فردا

نزاکت ہاست در آغوش مینا خانہ حیرت  
مژہ برہم مزن تاشکنی رنگ تماشارا

یار در آغوش و نام اونمی دامن کہ چسبیت      سادگی ختم است چوں آئینہ بر نیان ما

چہ وجود و چہ عدم بست کشاد مژدہ است      چوں شرر ہر دو جہاں را بہ نگاہے دریاب

زہے چمن ساز صبح فطرت تبسم لعل مہر جویت  
ز بونے گل تالو آئے بلبل فدائے تمہید گفتگویت

سحر نیمے در آمد از دردِ پیام گلزارِ وصل در ہر  
چو رنگ رفتم ز خویش دیگر چہ رنگ باشد شمار کویت

به جستجو هر طرف فشايم هماں جنوں دارد اضطرابم  
به زیر پايست مگر بيايم دله كه گم کرده ام بكويت

به عشق نازد دل هوس هم به بالدار شعله غار و خس هم  
رسانست سر رشته نفس هم بقدر افسون جستجويت

باين ضعيفي كه بار در دم شكسته در طبع رنگ زردم  
به گرد نقاش شوق كردم كه مي كشد حيرتم بسويت

اگر بهارم تو آبياري و گر چراغم تو شعله كاري  
ز حيرت من خبر نداري بيارم آئينه رو برويت

اے پر فشاں چوں بوی گل نیرنگی از پیراهنت  
عنقا شوم تا گردن یابد سراج و امانت

تجدید ناز آشفته رنگ لباس آرايیت  
بے پردگی دیوانه طرح نقاب افکندنت

هر جا بروی پوشیده خود را به خود پوشیده  
در نور شمعت مضحل فانوسی پیراهنت



هر غباری که درین عرصه طوفان برخاست همه از شوخی و بیباکی جولان برخاست

گفتگو یکسر دلیل هرزه کاریهای مست تا بر سر فریاد دارد کاروان آسوده نیست

به غفلت آنچنان دوریم از دوست که تا اینجار سر وصلش پیام است

شب که سودا خیال یار در دل جوش داشت چشم واکردن زین تا آسمان آغوش داشت  
شش جهت کیفیت رنگ تیر بود فرش هر طرف می رفتم از خود جلوه بردوش داشت  
او خرامان بود اگر اشک از نظری شد روان او سخن میگفت اگر دل بر طپیدن گوش داشت

صحبت خود با خودش صد انجن آهنگ داشت با وجود ساز به رنگی درون عالم رنگ داشت

بهر استقبال نازش هر که گام پیش رفت تا ابدی بایش چوں بوی گل از خوشی رفت

بهوش اگر باشد کتابی نغمه یار کار نیست چشم واکردن زمین و آسمان نمیدن است

بحر بیتاب کہ آں گوہر نایاب کجاست؟ چرخ سرگشته کہ نورشیدر جہانتاب کجاست  
دیر ازین غصہ در آتش کبرہ رنگست صم کعبہ زین درد سیم پوش کہ محراب کجاست

بیدل آں گوہر نایاب سراغ بہ محیطے ست کہ پرسیدن نیست  
نکس افتاده در آئینہ پوش گل توں گفت و بے چیدن نیست  
عجز ادراک اگر فہمیدی معنی این ست کہ فہمیدن نیست  
نسخہا در بغل و فہم محال جلوہ ہا در نظر و دیدن نیست

دیدہ اشک میکار و دل ز داغ کلچین است  
در بہار نو میدری رنگ عاشقاں این است

بہ محفلے کہ دل آئینہ رضا طلبی ست نفس در ازای فریاد پاکبے ادبی ست  
خمار جام تسلی شکستن آساں نیست ز نالہ تابہ خموشی ہزار تشنہ لبی ست

بیجا کہ بیچ بہارے بہ حسرت مانیت شکستہ رنگی اُمید بے تماشا نیست  
تو ساز جلوہ کن و مدعا دل و ریاب زبان حیرت آئینہ بے تقاضا نیست



اگر زوہم بر آئی چه موج کو گرداب      جہاں بہ خویش فرو رفته است در بانیست  
 بہر چه میر سی از خود گذشتنی دارد      بہ خوش باش کہ ام و ز رفت و فر دانیست  
 حساب بیکسی ما کجا توان دادن      بقا کدام؟ چه هستی؟ فنا ہم ازمانیست  
 غرق بحر ز فکر حیات مستغنی ست      رسیدہ ایم بجائے کہ بیدل آنجانیست

باز سر گرمی نظارہ بہ سماں شدہ است      شعلہ آتش ویدار گل افشاں شدہ است  
 صلح کل نادر چہ یفاں کہ دریں عشرت گاہ      آتش و آب بہم دست و گریباں شدہ است  
 بیدل آن شعلہ کز ورم چہ افاں گرم ست      یک حقیقت بہ ہزار آئینہ متاباں شدہ است

ہر کف خاکے بہ جوش ہدر گداز آمادہ است      یک فلم اجزائے این مینخانہ صہبا کردنیست

نیامدست شترابے بہ غرض شوخی رنگ      جہاں ہنوز سیہ ست سایہ تاک است

گویند بہشت است ہمہ راحت جاوید  
 جائیکہ بہ داغ نہ چیر دل چہ مقام است

نیست در گلشن اسباب جهان رنگ ثبات همه از دیده ما هم چو نظر میگذرد  
 چو نفس خانه پرستیم نداریم آرام عمر آسودگی ما به سفر میگذرد

برائے خاطر من غم آفریدند طقیل چشم من غم آفریدند  
 چسبان تا بم سر از فرمان تسلیم که چو ابرویم از غم آفریدند  
 اگر عالم برائے خویش پیدا است برائے من مرا هم آفریدند

بخت من زلف یار را ماند وضع من روزگار را ماند  
 تا نظر باز کرده ییچ است عمر برق شرار را ماند  
 مژده واکردنی کنی آرد همه عالم غبار را ماند  
 محو یاریم و آرزو باقی ست وصل ما انتظار را ماند

تمام شوقیم لیک غافل که دل براه که می خرامد؟  
 جگر بدارغ که می نشیند نفس به آه که می خرامد؟

اگر نه رنگ از گل تو دارد بهار موهوم هتئی ما  
 به پرده چاک این کتاها فروغ ماه که می خرامد؟



غبار ہر ذرہ می فروشد بہ حیرت آئینہ طپیدن  
 رم غزالان این بیاباں پئے نگاہ کہ می خرامد؟  
 ز رنگ گل تا بہار سنبل شکست دارد دماغ نازے  
 دریں گلستاں ندانم امروز کج کلارہ کہ می خرامد؟  
 نگہ بہ ہر جارد و پویش بنم ز شرم می ماند آب گردد  
 اگر بدانند کہ بے محابا بہ جلوہ گاہ کہ می خرامد؟  
 مگر ز چشمش غلط نگاہے رسد بہ فریاد حال بیدل  
 و گرنہ آں برق بے نیازی پئے گیاہ کہ می خرامد؟

چمن را جلوہ ات چوں بوائے گل بیتاب می سازد  
 خرامت شاخ گل را موجبہ سیماں می سازد  
 غبار این بیاباں نغمہ شد از بسکہ مجنوںم  
 بہ تار جادہ ہر نقش قدم مضراب می سازد

من آں غبارم کہ حکم نقشم بہ یسج عنوان در نگیرد  
 اگر سراپا سحر بر آیم شکست رنگم اثر نگیرد

بایں گرائی کہ دارد امروز رفت چندیں خیال دوشم  
 چو کشتیم پائے رفتی کو اگر محیطم بسر نگیرد  
 براہ یاسے ست سعی گامم کہ گر بہ لغزش رسد خرام  
 کسے جز آغوش بے نشاغم چو اشکم از خاک بر نگیرد  
 چو موج عمریست بے سرو پا تلاش شو قم ادب تقاضا  
 چہ ممکن است این کہ رشتہ ما چو عقدہ گیرد گھر نگیرد  
 خوشا غنا مشربے کہ طبعش بحکم اقبال بے نیازی  
 ز ہر چہ گیرد جزا نہ خواہد ز ہر چہ گردد خبر نگیرد

ہمہ راست ز انجن آرزو کہ بہ کام دل ثمرے رسد  
 من و پر فغانی حسرتے کہ ز نامہ گل نسرے رسد  
 چہ قدر ز منت قاصداں بگذارد دم دل ناتواں  
 بہ بر تو نامہ بر خودم اگر چہ چو رنگ پرے رسد  
 بہ ہزار کو چہ دویدہ ام بہ تسلی نہ رسیدہ ام  
 ز قدر خمیدہ شنیدہ ام کہ پوئی حلقہ شد بہ درے رسد



ز کمال نظم جنوں اثر بگداشت بیدلِ بے خبر  
چہ قیامتست بر آں ہنر کہ بہ ہم چو بے ہنرے رسد

فسرد گہمائے سازِ امکاں ترانہ ام راعناں نہ گیرد  
حدیث طوفاں نوا بے عشق منوشی از من زباں نہ گید  
ز خود بر آں تا رسد کندے بنابر قصرِ بے نیازی  
بہ نرد بانہائے چین دامن کسے رہ آسماں نہ گیرد  
اگر بہ عزم کشاد کاری ز گوشہ گیراں مباحش نافل  
کہ تیر پرواز را نہ شاید زمیکہ بال از کماں نگیرد  
فتادہ رازِ خاک بردار یا میر نام استطاعت  
کسے چہ گیرد ز سازِ قدرت کہ دست و اماندگان نگیرد

بہ کہ ام فرصت از یں چمن ہوس از فضولی اثر کشد  
شبِ خوں بہ عمرِ خضر زخم کہ نفس شراب سحر کشد

به طراز دامن ناز او چه ز خاکساری ما رسد  
نه ز دآں مژه به بلندی که ز گرد سرمه دھارسد

نگار ما ز تماشائے غیر مستغنی ست  
بروون ز خویش چرخ گهر نه می تابد

نه رست تنجے دریں گلستاں که فز بهارے نه کرد سماں  
هوائے رنگ گلّت ز خاکم اگر بر آرد چمن بر آرد

نه تنها از قدح مستی و از گل رنگ می بوشد  
هوائے محفل قدرت به صد آهنگ می بوشد

هر دل از ناله بهار اثرے می خواهد      ریشہ پیرایه هر تخم پرے می خواهد  
هر کجا نکبت گل پرهن رنگ درید      نیست پوشیده که از خود سفر نی خواهد  
هر کجا چشم پرده مزده دیدارے هست      هر کجا دل پیش آرد خبرے می خواهد



تو کار خویش کن اینجا توئی در من نمی گنجد  
گریبان عالم دارد که در دامن نمی گنجد

---

نه شد آنکه شعله و حشته بدل فسرده فسون کند  
به زمین طیم به فلک دوم چه جنون کنم که جنون کند

---

خورشید خرامید و فروغ به نظر ماند  
دریا به کنار دگر افتاد و گهر ماند

---

بے پروا است و نیست خیال راز من هنوز  
از خاک می دمدم پتو گلم پیرهن هنوز  
از بے نصیبی من غفلت هوا پیرس  
در خون طپید شوق رنگشتم چمن هنوز  
یک جلوه انتظار تو در خاطر مگذشت  
آئینه می دمدم سراپا کتے من هنوز

---

بیار بادہ کہ در صید گاہ عالم ہوش  
 بذوق وصل جنوں در قفائے دشت چمن  
 پیچے صبوحی شاعر کشان محفل شوق  
 دو اندہ است بصد رنگت ریشہ امواج  
 ز گہم ہوشی رنگ ہوا عیاں گردید  
 لوائے سلسلہ شوق پردہ ہا دارد  
 و اگر بساز جنوں ہوش بر نمی آید  
 نسیم عشرت این فصل غنچہ در غل است  
 بقدر چشم کشودن طرب قدح پیماست  
 بیا بہ سایہ فرصت کہ می رسد بہ چمن  
 نہ برگ نام و نہ رنگ ایں قدر دامن  
 ز ساز انجن راز تا چہ می شنوند  
 کہ ام رنگ چہ گل ہوش حیرتست اینجا  
 حدیث پردہ رنگ از کہ باید م پرسید  
 بہار می رسد از موج گل کند بدوش  
 بیا ز ابر بہاری کشودہ است آغوش  
 نشاط جام بدست است و رنگ بادہ فروش  
 ز جو تبار گُل بہار طوفاں ہوش  
 کہ در گرفتہ در آفاق آتش خاموش  
 چو عذریب تو ہم بر جنوں زن و عجزش  
 نگاہ آئینہ شو کسوت تحیر پوش  
 نفس بہ موج ہوا خوش ساز و بادہ ہوش  
 ز خواب گرم ترہ واکردہ بہ مستی کوش  
 ہمائے رنگ ز برگ گل آشیان بردوش  
 کہ صف کشید و ہجوم غبار رفتی ہوش  
 کہ گل ز غنچہ سر انگشت خود کشیدہ بگوش  
 قبائے ناز دریدست خاک آئینہ پوش  
 زبان بوائے گل آوازی دہد کہ خوش



تو گر خود را نه بینی نیست عالم غیر دیدارش  
خودی آئینه دارد که بحر می ست اظهارش

به حق تسلیم شو تا وانهی از این و آن بیدل  
به دریا قطره چون گم گشت دریا داند و کارش

ز سیر گلزار چشم بستن کس نه شد محرم تسلی  
بجاست آئینه تا نمایم چه بیج دارد بهار زنگش

با هر کمال اندک آشفته گی خوش است هر چند عقل گل شده بے جنون مباحش

به شوخی بر نمی آید دماغ ناز یکتائی  
من از حیرت فرو دم صفر بر اعداد نیرنگش

هر دو عالم خاک شد تا بست نقش آدمی  
اے بهار نیستی از قدر خود هشیار باش

تبار هستی دارم پیرس از بود و نابودش  
بعد آتش قیامت می کنی گر واکنی دودش

دنیا اگر دهند نه جنم ز جائے خویش  
من بسته ام حنائے قناعت به پائے خویش

چه نقشها که نه شد جلوه گر ز پرده شوق	چه رنگها که ندارد طلسم غنچه فوق
همین نفس که غبار تعلق واهی ست	هزار پیچ و خم آورده شد بگردن طوق
سواد بوش تمنا چه آسمان چه زمین	نوائے زیرو بزم آرزو چه تحت و چه فوق

تو کریم مطلق و من گدا چه کنی جز اینکه نه توانم  
در دیگرے بنما که من به کجا روم چو برانم  
همه عمر هرزه دویده ام خجلم کنوں که خمیده ام  
من اگر به حلقه تنیده ام تو بروین در بنشایم



نمی دانم چه نیرنگ است افسونِ محبت را  
که خود را بهم تومی پندارم و با خود سخن دارم

روز و صلت باید از شرم آب گردیدن که ما  
در فراقِ زندگی کردیم و جانِ داشتیم

مقیم و حد تم هر چند در کثرت وطن دارم  
به دریا پیمو گوهر خلوتی در انجمن دارم

می گویم و حیرانم می پویم و گریانم حرفی که نمی فهمم را همی که نمی دانم

من آں شوقم که خود را در غبار خویش می پویم  
رہے در جیب منزل کرده ام ایجاد و می پویم

تا نظر بر چمن وضع جہاں و اگر دیدیم  
نہ سخن بگو بقا داشت نہ گل رنگ وفا  
ستمی بود کہ بر دیدہ بینا کردیم  
غیرت آلودہ بہ ہر رنگ نظر ہا کردیم

اچھ بیداری مادام نظر می نہیں  
حیرتے بود کہ در خواب تماشا کریم

تیر مزوہ حسن بہارے زاد کز شوقش  
چو اشک از دیدہ تادامان دل آئینہ ہا پییدم

ز درس دیدہ دل از من بیدک چہ می پرسی  
سر اپا حیرتم حیرت نہ می دانم چہ فہیدم

عرصہ آزادی از جوش غبارم تنگ بود  
بر سر خود دامن افشاندم و صحران شدم

موج دریا در کنارم از تنگ و پلیم پیرس  
اچھ من گم کردہ ام نایا فتن گم کردہ ام

در بہت نارفتہ از خود ہر طرف سر می زنم  
ہمچو مژگاں بے خبر در آشیاں پر می زنم

چوں سحر خمیازہ آغوش فنا و می کند  
ماز فرصت غافلان سرخوش کہ ساغر می زنم



چوں شرر روشن سواد فطرتیم اما چه سود  
نقطه تا گل کند آتش به دفتر می زخم

کشاد چشمه نه شد نصیبم به سیر نیرنگ ایس دبستان  
نگه به حیرت گداخت اما نه کرد روشن سواد مژگان  
خرد کند هوس شکارست ورنه در چشم شوق محنوں  
به جز غبار خیال لیلی کجاست آہو دریں بیا باں  
خیال آشفستگی تحمل اگر شود حرف یک تامل  
دل غبارے و صد چمن گل نگاہ موئے و صد چراغان  
ہوا کے لعش کراست بیدل کہ با چنین قرب ہمکناری  
به بوسہ گاہ بیاض گردن ز دور لب می گزد گویان

ز رہ ہوسن بوتہ کے رسم نفس زخود نہ رسیدہ من  
ہمہ حیرتم بہ کجا روم بہت سرے نہ کشیدہ من  
چو نگاہ گرم بہ ہر طرف کہ گزشتہ محل ناز تو  
چو دل گداختہ از بیت برکاب اشک دویہ من

تو و صد چمن طرب نمو من و شبنم نه که آبرو  
به بیمار عالم رنگ و بو همه جلوه تو همه دیده من

---

چيست انساں حرف و صوت فارغ از لطف و بیاں  
جلوه نیرنگی در پرده حیرت عیاں  
یک نفس پر داز آهنگش ز هستی تا عدم  
یک قدم جولان عزمش بے نشان تا بان نشان

---

زلاف حمد و نعت اولی است بر خاک ادب خفتن  
بجوئی می توان بردن درودے می توان گفتن

---

جمال تان شود ماکل نظاره خویش ز آئینه نتوان عرض ناز فہیدن

---

زندگی در گردنم افتاد بیدل چارہ نیست  
شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن

---



سہ طرہ بہ ہوا فشاں چمنے بہ مشک تر آفریں  
مژدہ بہ آئینہ باز کن گل عالے دگر آفریں

بہ کلام بیدل اگر سی مگذر ز جادہ منصفی  
کہ کسے نمی طلبد ز تو صلہ دگر مگر آفریں

بے نشان حسنے کہ درس جلوہ میخواند ز من  
عالے برہم زند تارنگ گرداند ز من

تا بہ جوشد سرمہ از خاکستر من چوں جہند  
خامشی را ہم محبت نالہ میداند ز من

آبیار مزرعہ خاموشیم اما چہ سود  
شوق می کار و نفس تا نالہ رویاند ز من

بیدلم بیدل ز شرم سخت جانہا پیرس  
دور ازاں در خاک ہم آہست گریانند ز من

چنین کشتہ جہرت کیستم من کہ چوں آتش از سوختن زیستم من  
نہ خاک آستانم نہ چرخ آشیانم پرے می فشانم کجا کیستم من

بنا ز اے تخیل ببال اے تو ہم کہ ہستی گماں دارم و نیستم من

من سنگ دل چہ اثر برم ز حضور ذکر دوام او  
چونگیں نہ شد کہ فرد برم بخود از خجالت نام او

بہ ہوا سرے نہ کشیدہ ام بہ نشینے نہ رسیدہ ام

ز پر شکستہ تنیدہ ام بہ خیال حلقہ دوام او

نہ ز ماغ دیدہ کشودنی نہ سر فسانہ شنیدنی

ہمہ را ربودہ غنودنی بکنار رحمت امام او

در طلسم عجز فرصت حال و استقبال کو شش ہمت یک گردش نگست و سال کو

از عدم می جو شم انجام چہ و آغاز کو	بیدلم بیدل مرا جز هیچ بودن ساز کو
در خیال آباد موہوے نیاز و ناز کو	موقعی منخواہا سباب غرور عاجزی
در بگویم ذرہ ام چو ذرہ ام پرواز کو	قطرہ گردانم طراوت از کجا سامان کم
چوں نگاہم غیر خاموشی دگر آواز کو	در غبار سرمہ انسان ساز حیرتم



غم گذشت دمی کشم آرزوئے لقائے تو  
اے قدم تو بر سرم اے سر من بہ پائے تو

---

ہر چہ زورم از چمن جلوہ گاہ او  
میخانہ است شوق بیاد نگاہ او

---

کجائی اے جنوں ویرانہ ات کو خس و خار یکم آتشخانہ ات کو

---

کہ کشیدہ دامن فطرت کہ بہ سیر ما و من آمدی  
تو بہار عالم دیگری ز کجا بہ ایں چمن آمدی

سحرے حدیقہ آگهی ستم است جیب جنوں درد  
چہ ہوا بہ پردہ آتش کہ برون پیرامن آمدی

ز عدم جدا نہ فتادہ قدمی دگر نہ کشادہ  
مگر آنکہ پیش خیال خود بہ خیال آمدن آمدی

نہ سفر بہانہ طراز شد بہ قدم جنوں تنگ و تاز شد  
بہ خودت ہمیں مژہ باز شد کہ بہ غربت از وطن آمدی

نہ نسبت بہ زمزمہ چنگ زد نہ نفس در دل تنگ زد  
عدم آہگینہ بے سنگ زد کہ تو قابل سخن آمدی

زمزاج سایہ و آفتاب اثر دوی نہ شرعہ فتم  
من اگر بہ بجائے تو داشتم تو چہاں بجائے من آمدی

بہ ہوس جو بیدل بے خبر در اعتبار جہاں مزن  
چہ بلاست ذوق گہر شدن کہ تو موج خود شکن آمدی

---

بیدل اگر آگہ شوی از درد محبت

یک زخم بہ صد صبح تبسم نہ فروشی

---

بے خبر از خود گذر جانب دل ہم نظرے  
اے چمنستان جمال آئینہ دارد سحرے

نیست دریں ہفت چمن چوں قدرت لے غنچہ بہن  
گلبن نیرنگ گلے سرو قیامت ثمرے



# حیرت قسم کو اثر عجز و رسائی

نبور ادب را چه وصال و چه جدی

چو محو عشق شدی رہنا چه می جویی      بہ بحر غوطہ زد می مانند اچہ می جویی  
مناخ خانہ آئینہ حیرت ست اینجا      تو دیگر از دل بے مدعا چه می جویی  
بہ سینہ تانفسہ هست دل پریشان ست      رفوئے جیب سحر از ہوا چه می جویی  
چو شمع خاک شدم در سراغ خویش اما      کسے نہ گفت کہ در زیر پا چه می جویی  
سراغ قافلہ عمر سخت نا پیدا ست      نہ رہ گزار نفس نقش پا چه می جویی

بہ ذوق دل نفسہ طوف خویش کن بیدل

تو کعبہ در بغلی جا بہ جا چه می جویی

# رباعیات

کمر زاری از چرخ و سحر و جادو  
 زانکه در عالم غیب و سر و کلاه  
 زانکه در عالم غیب و سر و کلاه  
 زانکه در عالم غیب و سر و کلاه

آنکس که منزله است ز آب و گل ما بے او عدم است خلوت و محفل ما  
 نامش از پرده برزهاں می آید واللہ کہ نیست جلئے او جز دل ما

ای دین تو صل و فرح جان بخش ما  
 ای دین تو صل و فرح جان بخش ما  
 ای دین تو صل و فرح جان بخش ما









شکوه خلق خیال و یون بود  
 سما و سما و سما و سما  
 و سما و سما و سما و سما  
 و سما و سما و سما و سما

آں را که به بیکسی نظر دو خلق است    خبر یاس را سباب چه اندو خلق است  
 بے روی تو در چراغ کا شانه ما    افر و ختنی نیست همه سو خلق است

بختی در جهان کنی و یون و یون  
 از عالم که بختی در جهان  
 و یون و یون و یون و یون  
 و یون و یون و یون و یون

بسم الله الرحمن الرحيم  
 اینک به استحضار می‌رسانم  
 که در تاریخ ۱۳۰۲/۰۵/۰۵  
 در شهر تهران در محله  
 خیابان ولیعصر در منزل  
 آقایان ...

عارف که دامغانی افسر دولت  
 آں را که قضا منصب شاهی بخشد  
 هستی و عدم سواد فرمانبردار دولت  
 در هر کشور که رد بر و کشور دولت

اینک به استحضار می‌رسانم  
 که در تاریخ ۱۳۰۲/۰۵/۰۵  
 در شهر تهران در محله  
 خیابان ولیعصر در منزل  
 آقایان ...



تحقیق علم به اینها  
در بابی شکران است  
در بابی نه غنائی شکران است  
در بابی بی لال او شکران است  
در بابی نه غنائی شکران است

فریاد که آن طلسم نیرنگ شکست  
فرست چمنی در نظر آراسته بود

ساز طرب تیر آهنگ شکست  
مشرکاں بر هم زدیم آن رنگ شکست

که طبع نه از اهل کم درم و داشت  
 دران بر یقین که کم داشت  
 از بجه پنهان کس  
 که شیطان صحت بدام می داشت  
 از ابا

۱۸  
 بیدار شو که بخت نیز است  
 بخت که بخت نیز است  
 بخت که بخت نیز است  
 بخت که بخت نیز است  
 بخت که بخت نیز است  
 بخت که بخت نیز است

بیدار شو که بخت نیز است  
 بخت که بخت نیز است  
 بخت که بخت نیز است  
 بخت که بخت نیز است  
 بخت که بخت نیز است  
 بخت که بخت نیز است

بیدار شو که بخت نیز است  
 بخت که بخت نیز است  
 بخت که بخت نیز است  
 بخت که بخت نیز است  
 بخت که بخت نیز است  
 بخت که بخت نیز است



هست که خیال پیش پیر  
 احوال یقین با به پیر  
 باین بستی حیرت  
 پیرست که حیرت  
 باین بستی حیرت  
 پیرست که حیرت

این فصل هر عقل نگو می خواهد آینه هوش عرق خون می خواهد  
 پیدا است ز گل کردن اسرار دین کاین محشر رنگ و بو جنون می خواهد

از قوتان این دو وقت اسرار و کون  
 حیرت و حیرت و حیرت  
 حیرت و حیرت و حیرت  
 حیرت و حیرت و حیرت





تازہ بہ تازہ موت و حیات  
 کما بشارت دادا  
 جلاسم و زبان  
 ہرگز نہ گویا  
 ہرگز نہ گویا  
 ہرگز نہ گویا  
 ہرگز نہ گویا

ہرگز نہ گویا پیغام سازے دارد  
 ہرگز نہ گویا سرانگ تازے دارد  
 عارف سبب گریہ چہ گوید با خلق  
 دریا در طبع خود گرازی دارد

ہرگز نہ گویا  
 ہرگز نہ گویا  
 ہرگز نہ گویا  
 ہرگز نہ گویا  
 ہرگز نہ گویا  
 ہرگز نہ گویا  
 ہرگز نہ گویا  
 ہرگز نہ گویا

امروز که وقت طوفان مقصود است  
 همه را به جایی که می خواهید  
 بفرستید و بگویند که  
 اینها را به جایی که می خواهید  
 بفرستید و بگویند که

سامان تو آن قدر هیا گردد  
 اگر قطره رسد به موج دریا گردد  
 از تخم نهال و از نهال آرد نخل  
 آن نخل به خود باله و طوفانی گردد

همه را به جایی که می خواهید  
 بفرستید و بگویند که  
 اینها را به جایی که می خواهید  
 بفرستید و بگویند که



سازم غم و غم  
 دل و دگر زنگار  
 دل و دگر زنگار  
 دل و دگر زنگار  
 دل و دگر زنگار  
 دل و دگر زنگار  
 دل و دگر زنگار  
 دل و دگر زنگار

دل مجھ جناب کبریا باید کرد خوش باید بود عیش ہا باید کرد  
 بیدل کارے دگر نہ آرد اینجا جز آں کہ دعا ہائے شما باید کرد

نالاں کائناتے وائے زندگی رفت بہ باد  
 دل و دگر زنگار  
 دل و دگر زنگار  
 دل و دگر زنگار  
 دل و دگر زنگار  
 دل و دگر زنگار  
 دل و دگر زنگار  
 دل و دگر زنگار

کاشکین نظم که طبع موزون دارد  
 منجیه بهار از دل پر خون دارد  
 منجیه پری زار از سخن سالی نیست  
 منجیه از دل افسوس دارد

عالم نه بلندی و نه پستی دارد      دل این همه مخموری و مستی دارد  
 زیر و حرم مقصد دل عشق خودست      این آینه سخت خود پرستی دارد

فرست داری ز نام گوی کار منبند  
 بر چرخ بود یکبخت ز کار منبند  
 بر چرخ بود یکبخت ز کار منبند  
 بر چرخ بود یکبخت ز کار منبند



در کوئے دل آرام گذر باید کرد  
 فعل بدوش را بدر باید کرد  
 آئینه شوق با صفا باید داشت  
 در دسرخ یار را نظر باید کرد

در کوئے دل آرام گذر باید کرد  
 فعل بدوش را بدر باید کرد  
 آئینه شوق با صفا باید داشت  
 در دسرخ یار را نظر باید کرد

در کوئے دل آرام گذر باید کرد  
 فعل بدوش را بدر باید کرد  
 آئینه شوق با صفا باید داشت  
 در دسرخ یار را نظر باید کرد

کجایم که غم از غم دور  
 از این غم دوری  
 از این غم دوری  
 از این غم دوری

ما بیدل ز غم و نشاط دوراں بگذر  
 از بیش و کم مشکل و آساں بگذر  
 ز دور گشتن دهر چوں نسیم دم صبح  
 آزاده در آئی و امن افشاں بگذر

در قافایه شوق دل حیرت کشید  
 در قافایه شوق دل حیرت کشید  
 در قافایه شوق دل حیرت کشید  
 در قافایه شوق دل حیرت کشید



این دو بیت و جملات و کلمات  
 در دست و زبان است  
 این دو بیت و جملات و کلمات  
 در دست و زبان است  
 این دو بیت و جملات و کلمات  
 در دست و زبان است

بیدل تا سیر رنگ و بویها کردیم  
 صد عقد زین رنگ جمال واکردیم  
 اما تو چه عالمی که حشر تصویر  
 در پرده نقش تو تماشا کردیم

این دو بیت و جملات و کلمات  
 در دست و زبان است  
 این دو بیت و جملات و کلمات  
 در دست و زبان است  
 این دو بیت و جملات و کلمات  
 در دست و زبان است

۱۸۸  
 در تبارش  
 اگر چه  
 منقطع  
 خجل  
 در تبارش  
 اگر چه  
 منقطع  
 خجل  
 در تبارش  
 اگر چه  
 منقطع  
 خجل

بیدل تا محو گلشنم نیز نیگم      گاہے گل و گاہ غنچہ دل تنگم  
 گویند ز رنگها بروں باید بود      دشوار حقیقتی که ما ہم رنگم

در تبارش  
 اگر چه  
 منقطع  
 خجل  
 در تبارش  
 اگر چه  
 منقطع  
 خجل  
 در تبارش  
 اگر چه  
 منقطع  
 خجل



مگر چه بگویم  
 که در این عالم  
 هر چه هست  
 همه در دست  
 خداست  
 و من  
 چه بگویم  
 که در این عالم  
 هر چه هست  
 همه در دست  
 خداست

دورم ز تو یک بیگماں نزدیکم      گر پیدایم و گر نهماں نزدیکم  
 نقش قدم خود نگر و یادم کن      هر جا باشم باین نشان نزدیکم

از قدر و توانمست  
 در دامن ناامیدی  
 بی طاق گندار  
 شیشه شیشه  
 و من  
 چه بگویم  
 که در این عالم  
 هر چه هست  
 همه در دست  
 خداست

دنی از ضعف به منزل ماندم  
 محفل ماندم فکر تو بود  
 نقش قدم الیکه مییدم  
 غم بیدار با تو رفت بیدار ماندم  
 غم بیدار با تو رفت بیدار ماندم

گر خاموشم به فکر فریاد توام  
 هر چند در آتش نشان دست فلک  
 ورگیا بسجده خوان اوراد توام  
 شادم که چراغ محفل یاد توام

مایه خنجر به خنجر بین  
 واکردم سودا کردم  
 واکردم سودا کردم  
 واکردم سودا کردم  
 واکردم سودا کردم  
 واکردم سودا کردم  
 واکردم سودا کردم  
 واکردم سودا کردم  
 واکردم سودا کردم  
 واکردم سودا کردم



در و رطه فکر خود نه می افتادیم  
 از سعی جنوں داد گریباں دادیم

گر قابل کسب علم می زادیم  
 دیدیم که دست ما به جا نه رسید

در و رطه فکر خود نه می افتادیم  
 از سعی جنوں داد گریباں دادیم

شبنمین کمر  
 گشت زین کمر  
 و بومار زانی در گشت  
 و ویدین کمر

گریافتی اسرار قدم بیش مجو    در فهمیدی ز لفظ معینش مگو  
 تا طبع تو تهمت فضولی نکشد    گلهاست دریں بهار می بین و مهو

زین مرصعه باید به نامی گزندی  
 زین مرصعه باید به نامی گزندی  
 زین مرصعه باید به نامی گزندی  
 زین مرصعه باید به نامی گزندی



ایں ستراب جاہ و خشت  
باغ جہاں بغیر خشت  
باغین باغ آرزو یاران  
بیاہل باغی بہار قرات باغ

اے ہر و اگر ز خویش غافل باشی      سرگشته تر از راه به منزل باشی  
چوں گوهر اگر به ضبط خود پردازی      در دریا ہم مقیم ساحل باشی

کے لئے یہ دعا ہے کہ جو اس دعا کو پڑھے وہ دنیا کی ہر شے سے بالاتر ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک مکان بنائے۔

# فردیات

به محفل شمع تابان در گلستان رنگ و بو باشی  
الهی هر کجا باشی بهار آبرو باشی

---

روز نشاط شب کرد آخر فراق یارم  
خود را اگر نه سوزم شمع دیگر نه دارم

---

دیگر پیرسید از شوق دیدار  
اندیشه آبت از نثرم اظهار

---

من که جز با تو نه پرداخته ام  
گر به خود ساخته ام ساخته ام

---



کارها با غیرت عشق غیور افتاده است  
شش همت دیدار و مارا از گریباں چاره نیست

---

سیر این گلشن غنیمت دال که فرصت بیش نیست  
در طلسم خنده گل بال و پر دارد بهار

---

شوق دیدارے کہ از دل بال حسرت می کشید  
تا بہ مژگاں می رسد آغوش حیرت می کشد

---

حرص قانع نیست بیدل ورنہ اسباب ہماں  
انجہ ما درکار داریم اکثرش درکار نیست

---

من نہ می گویم زیاں کن یا بہ فکر سود باش  
اے ز فرصت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش

---

به هر طرف گذری سیر نرگستان کن  
به قدر نقش قدم چشم دوستان باز ست

---

کس نه رفته به عدم هستی اگر بجای داشت  
خلفه از تنگی این خانه به صحرای زده است

---

کاش بجزای داد من میداد گر وصلی نه بود  
شمع تصویرم که از من سوختن هم ننگ داشت

---

نه دایم دایم نه دانه این قدر دایم  
که دل به هر چه کشد التفات صیاد است

---

مرده هم فکر قیامت دارد  
آرمیدن چه قدر دشوار است

---



کم ظرفیم از غفلتِ خویش ست و گرنه  
دریاست من ریخته از جامِ حباکم

---

در وصل ز محرومی دیدارِ پیرسید  
آئینه ز فہید کہ من باکہ دوچارم

---

طپیدم، ناله کردم، آب گشتم، خاک گردیدم  
تکلف بیش ازین نتوان بہ عرض مدعا کردن

---

## قطعات

چہ سازم ناتوانم ریخت رنگِ سجده در کوبش  
سرافتاده دارم کہ پیشانی ست ز الویش  
بہار آلودہ رنگِ تمنایت دے دارم  
کہ گر سیر گلے در خاطر افتد میکنم بویش

---

تا دو چار ناز کرد آں زرگس مستانه ام  
 شوق جوشے زد کہ می پنداشتیم میخانه ام  
 یار شد بے پردہ دیگر کتاب خود داری گراست  
 اے رفیقاں نو بہار آمد کنوں دیوانہ ام

---

کہ ام نقش کہ در کار گاہ عالم نیست  
 چہ رنگ و بلو کہ دریں مرغزار خرم نیست  
 جہاں طربکہ ہا داشت ست یک چہ سود  
 بہشت انجن اتفاق آدم نیست

---

از کتاب بیدلے یک نقطہ گر آید بدست  
 نسخہ آتش تو اں زد تخته ہا باید شکست  
 صد چمن باید بہ طوفان تغافل داد نت  
 تا بخون دل توانی اینقدر ہا رنگ بست

---



# خودشناسی

احوال دیگران ز چہ بر خود فسرودہ  
 بیدل ز خود بگو کہ تو ہم کم نبودہ  
 گر ریشہ ز تخم تو آید بروئے کار  
 بند نقاب خرمین امکاں کشودہ  
 برگ گلت ہزار چمن عرض رنگ و بوست  
 آئینہ از خودی و جہانے نمودہ  
 مزگان تست بست و کشاد طلسم دہر  
 اے چشم آگہی بچہ غفلت غنودہ  
 عالم تمام عرض پیام خودست و بس  
 اے شوقی نالہ کہ چہ از خود ستودہ

# یادِ پیاراں

گو گزشتہ رفیقان ز دل فراموشند  
کدام ناله کہ در پرده اش نمی جوشند  
چراغِ انجمن حیرت نظر بودند  
کنوں بہ پرده دل داعنای خاموش اند  
نہ رفتہ اند دریں بزم تاسخ باقیست  
نہ دیدہ رفتہ حریفان ہنوز در گوشند

## شانِ فقر

اے بسا روشن دلے کز بے نیاز یہائے شوق  
چوں فروغِ ہر بر خاکِ سیاہ افتادہ است  
اے بسا آئینہ کز کسوتِ رنگاریش  
یوسفستانے خلوت گاہِ چاہ افتادہ است



معنی اقبال فکر از غافلان پوشیده اند  
 ورنہ در ہر خاک چندیں دستگاہ افتادہ است  
 ہر کجا گرد شکستے سرمہ آراید بہ چشم  
 بے تامل نگذری آنجا کلاہ افتادہ است  
 ذرہ تا خورشید عرفاں جلوہ است اما چہ سود  
 دیدہ ہائے خلق بر غفلت نگاہ افتادہ است  
 عالمے محل بدوش و ہم جولان می کند  
 کیست تا فہم کہ منزل ہم براہ افتادہ است

## ما تَحْمِ پدلہ

خورشید خرامید و فروغ بہ نظر ماند  
 دریا بکنار دگر افتاد و گہر ماند  
 آتشکدہ رفت و زگرہ رخت شترالے  
 دل آب شدہ قطرہ خونے بہ جگر ماند

آں سایہ گزشت از اثر دست نوازش  
این نقش قدم داغ شد و خاک بسراغ

## تمنیت ارسال گوڈی بہ شکر اللہ خاں

سزد کہ چشم ہوس از گل و سمن پوشیم  
سرے کشیم دریں گوڈی چمن پوشیم

ہوس دیکہ تمنائے این لباس کند

ہزار جاں ہم آریم تا بدن پوشیم

اگر بایں ہنرست آب و رنگ عریانی

چہ لازم ست کہ با عیب پیرہن پوشیم

در آں بساط کہ وارستگی ست خلعت ناز

مرقع سحر از بوئے یا سمن پوشیم

قماش حرمت خاں اگر بایں رنگست

چو بوئے گل ہمہ نسریں و نسترین پوشیم



## در صفت خرد

آدمی زاده وارث خردست      بے خرد غیر نسل حیواں نیست  
 ہر کجا عقل کردہ است ظہور      مظهرش جز وجود انساں نیست  
 شاہد عقل چسیت شرم و ادب      کہ زہر گاو خرنمایاں نیست  
 جزو لاینفک خرد شرم است      لیک این صفت در سبماں نیست  
 کفر محل است بے حیائی و بس      ہر کرا شرم نیست ایماں نیست

## مخرومی

اے بسا علی کہ از بے التفاتیہائے خلق  
 در مزاج معنی آگاہاں ہماں مستور ماند  
 بید مانغی ہائے مستاں چشم شوقے و نہ کرو  
 موج مئے در جام محو لیشہ انگور ماند  
 ز گلستاں مایہ حیرت خفتہ پیدائشی ست  
 عالمے افروخت شمع و ہم چنان بے نور بلند

چشم بندی پتوں باجمو لمعہ دیدار نیست  
باہمہ نزدیکی این برق از نظر ہا دور ماند

گر کسی محرم نہ شد اندیشہ غفلت کراست  
حسن از بس بے نیازی داشت تا منظور ماند

## تخیر زار

تا نفس بر خود طپد در بے خودی غلطیدہ است  
تا نگہ بر خویش جنبد جیرتے بالیدہ است

سرّ این گلزار می خواہد گریہاں چاک کن

صبح بر خود داری ما غافلان خندیدہ است

باید از خود رفت تمہید دگر در کار نیست

ہر طرٹ مژگاں کشائی رنگ مینا چیدہ است



# زبان بیدلے

انچہ کلکم می زگار و محض حرف و صوت نیست  
ہوش می باید کہ در یاید زبان بیدلے  
گر ہمہ جبریل باشد مرغ فہم آگاہ و نیست  
تا چہ پیر و از ست جو آشیان بیدلے  
گوش دل و دھیرت آئینہ جوابانیدن ست  
بے نفس دارد تکلم تر جہان بیدلے  
ہر کہ از خود شد تنہی از ہستی مطلق بیدار ست  
سجدہ می خواہد حضور آستان بیدلے  
اعتبارات جہان از کا، شہم افزودہ است  
صفر اعداد ظہور ہم از نشان بیدلے  
چشم می باید کشودن سرمہ کون آگہ نیست  
نالہ کم دارد و رائے کاروان بیدلے  
از حباب من سراغ گوہر نایاب گیر  
یک نفس چیدہ ست بکرا بخا و کان بیدلے

# حدیثِ خموشی

کدام قطره کہ صد رنگ در رکاب نہ دارد  
کدام ذره کہ طوفانِ آفتاب نہ دارد

کدام غنچه کہ ہوش بہار نیست بہ چنیش  
کدام نقطہ کہ جمعیت کتاب نہ دارد

جائے خود ہمہ آئینہ حقیقتِ خویش اند  
بہ موجِ غیر کے نسبتِ حباب نہ دارد

چہ ممکن ست نگوید سراب یا ہمہ خشکی  
کہ پیش شوخیِ موجِ محیط آب نہ دارد

دلے تمیز بہ ہر جا کشودہ است نقابے  
غبارِ دودِ خم ریزشِ سحاب نہ دارد

در آں مقام کہ موجِ گہر خرام فروشد  
درنگِ یسح کس اندیشہ شتاب نہ دارد

بہ عالمے کہ تو اں جوہر نگاہِ شمر دن  
بہ صفر دیدہ اعلیٰ کے حساب نہ دارد



سخن اگر ہمہ معنی ست نیست بے کم و بیشی  
 غبار نیست خموشی کہ انتخاب نہ دارد  
 حدیث جو ہر آئینہ نیست غیر تھیر  
 سوال اگر ز خموشی بود جواب نہ دارد

## کش مکش

بیدل از نخلت لویان بساط ہر آتم  
 باد و عالم ماومن پر می زخم در سمر نہ دار  
 رشتہ سازے بہ قالون تھیر بستہ ام  
 در خموشی ناگزیرم در فعاں بے اختیار  
 مگر خموش گرم نفس بر ہم زند بنیاد ن  
 در یہ حرف آیم دہد لہماے خاموشم فشار  
 بیوں قلم در وادی عبرت رہے طے می کنم  
 سرنگونی بار گردن سجدہ پیشانی سوار

خامہ راستی نگوں شرمندہ تحریر کرد  
سجڑہ اینجائی کشد خطے پیا لغز آشکار

آسمان بالیدم و آفاقی گل کردم بہ دہم  
گاہ نوزد م بود بولا نگاہ شوخی گاہ تار  
عانی گل کردم اما در نظر گاہ یقین  
دراغ موہوئے ترقوت از غیبت بے ترک عار

گر عدم گویم عدم مستغنی است از ما و من  
در زہستی دم زخم کو سازد برگ اعتبار  
یہ کس بہتوں من اسیر و ہم ایں و آں مباد  
تھا نفس بزمی زندہ با نخلست افتاد دست کار

بے پرو بال بہتوں پرواز اعتقاد ہمتے بہت  
اے کریم این پیچ پیچ پیچ را معزولہ وار



# از ماست کہ بر ماست

ز چشم طالبان دانش آہنگ  
 کہ در آفاق ہر جا کوہ ساریست  
 بہر جانفش ابرے باشکوہ است  
 دریں وحشت سہر پڑمزدگی نیست  
 زمین گیر می کہ دارد سرگرائی  
 اگر کوہ از فسردن شد زمین گیر  
 برنگے کرد با او ماندگی صبر  
 فسردن زین صفت مطلق عناں شد  
 بخارے کرد ماغ شوق انگیخت  
 معین شد بہ طبع معنی اندیش  
 کہ بپر خلق بیرون نیست از خویش

ہیں یک نامہ در کہ سار پیدا است

کہ بر ما انچہ می آمد ہم از ماست

# قدر و قیمت شکست

شنیدم که شیخ زماں بایزید  
 به بحر حضورِ حقائق شهود  
 که یارب چه آرم من بوالفضول  
 ندا آمد از حضرت ذوالجلال  
 ز جنس عبادات علم و عمل  
 متاع به جز نقص در کار نیست  
 ز جنس شکست آنچه پیدا شود  
 شکست تو اینجا درستی ناست  
 خطی که رنگ گهر نقش بست  
 سلامت نمی زبید از ساز موج  
 شمع داشت با عشق گفت و شنید  
 خیالش نقاب تمنا کشود  
 که یابد درین بزم رنگ قبول  
 که فرش است اینجا دو عالم کمال  
 مبراست این کشور بے خلل  
 کمال ترا کس خریدار نیست  
 برین آستان قیمتش واد شود  
 که بحر کرم سر بسر مویاست  
 نه خواهد ز امواج غیر از شکست  
 شکست است انجام و آغاز موج

برای گل کند گریه ابر بهار  
 که رنگ شکستن نه کرد اختیار



# تامل و تفکر

خاک بودیم از بهار جلوه ساغر زدیم  
 دیگران گلچین شدند و ما چنین بر سر زدیم  
 غافلان از گفتگو رفتن تا موج و حباب  
 ما چو خواص از تامل بر سر گوهر زدیم  
 چوں سحر بر آسماں بردیم گرد خامشی  
 یک دو چین از ناله داماں نفس برتر زدیم  
 ہم چو شمع آخر سراغ ما به پیرنگی رسید  
 ہم دریں محفل قدم بر عالم دیگر زدیم

## مقام اولیا

از ید اللہ گر نشاں جوید کسے جلوه گاہش آستین اولیا ست  
 آفتاب مطلع الزوار ذات روشن از ماہ چین اولیا ست

مزرع سر مہزی کون و مکان  
 تا قیامت نوشہ چین اولیاست  
 انجہ می گویند از عرش بریں  
 معنی فرشتہ زمین اولیاست  
 غیب در ہر جا شہادت می کند  
 وسعت آباد یقین اولیاست  
 مگر بہ تفسیر کلام اللہ رسی  
 لفظ و معنی آفرین اولیاست  
 ہوش اگر بر اتم اعظم پے برد  
 یک قلم نقش نگین اولیاست

## چہ می پرسی

حجاب از بکر گوہر خیز تواند نشان دادن  
 سراغ عالم دل از من بیدل چہ می پرسی؟  
 رگ ابر از فشار ریشہ پڑ مرده نکشاید  
 اثر ہائے غنا از ضیعت سائل چہ می پرسی؟  
 سپندم یک طلش عرض نوائے سوختن دارد  
 نہ برق فرست خود داغ از محفل چہ می پرسی؟  
 خط و رسم نفس ناخواندہ با معنی چہ پردازم  
 ہنوزم بجادہ نا پیداست از منزل چہ می پرسی؟



طرف محوسات در تحقیق اسرار حق است نوافل  
 به حق ہم گز خطاب تست از باطل چه می پرسی؟  
 نقاب و جلوه هر یک خونیرنگ خود است اینها  
 ز یلیا پرس حال یلیا از محل چه می پرسی؟

## جذبہ نمو

در قید جسم دل را نشو و نما محال است  
 گنج است دانه ما از خاک اگر بر آید  
 صد گل بهار داد این غنچه در شکست  
 صبح ست زین گریباں یک چاک اگر بر آید  
 پیچ و خم نفسها دایم ره است بگسل  
 منہ نشه است اما از تاک اگر بر آید

## مردان کامل

دلاوران که هیائے ساز جنگ خود اند  
 بهر نفس زد لے پھوں جاب سنگ خود اند

پتوں صبح جو ہر فتح از جبین شاں پیدا است  
 ز بسکہ آئینہ دار شکست رنگ نمود اند  
 شکستہ اند طلسم غبار ہستی خویش  
 کلاہ فخر جہانند ایک رنگ خود اند

## مدحائے نیرنگی

رنگہا آئینہ تربیت بے رنگی ست  
 گر نظر محرم کیفیت اسباب شود  
 نہ ہمیں تاک دریں خمدہ مستی دارد  
 ہر دلے را کہ گدازند مئے ناب شود  
 سایہ را جبہ بستویند ز سر چشمہ نور  
 تا ہمال پر تو خورشید جہاں تاب شود  
 ابر چشمہ نہ فشارد ز غم دوری ہجر  
 خاک نم وزدد و عرض گل سیراب شود



بحر جوش زنده و موج به طوفاں آید  
 موج پیچید به خود و مایه گرداب شود  
 انتظار هوس گل کند از پرده شوق  
 نا امید آئینه دیده بے خواب شود  
 مدح ازین همه نیرنگ جز این نتوان یافت  
 کز دله خوں به چکد تا به بگر آب شود

## حیرت و بے خودی

دلدار رفت و بے خودیم در کنار ماند  
 تمثال جست و آئینه حیرت شکار ماند  
 زان دامن که بر من بے دست و پافشانند  
 در عرصه خیال رے از غبار ماند  
 مژگان نبرد عرقه آغوشی از وصال  
 آخر نقیب دیده همان انتظار ماند

ہوں صبح تا نفس زدہ ام سینہ می درم  
فرصت چہ جام داشت کز و این خمار ماند

اکنون سراغ جلوہ او حیرت من است  
زال شعلہ رمیدہ ہمیں داغدار ماند

## دیارِ متقرا

در زمینے کہ محبت اثرے کاشته است  
گرد او خرمین چندیں طیش انپاشته است

بر بہارے کہ انہیں کو چہ وزید است نسیم  
جگر چاک ز صبحش علم افراشته است

ہمہ تن شوقی شود وادی مجنوں دریاب  
مشہد سوختگان بولے دلہ داشتہ است



# انجام کار

چشم بروضع جہاں وا کردہ ہشیار باش  
کایں ہمہ ہنگامہ عشرت بہ غم خواہد کشید  
حسن رنگیں خواہد افگندن ز بیرنگی نقاب  
قابلیت رہنا بہ پستی با علم خواہد کشید  
می رسد آخر صف برگشتہ مژگان بہ خاک  
واں درازیمائے گیسو تا قدم خواہد کشید  
ابروئے پر خم کہ ناخن بر جگر ہا می زند  
عاقبت ہا ناخن پا سمر ہم خواہد کشید  
بر نقوش اعتبار آتے کہ دارد ما و من  
مرگ از یک جنبش مژگان قلم خواہد کشید  
چشم وا کردی زمانے گوش می باید بشدن  
شوخی این جلوہ تا افسانہ ہم خواہد کشید  
حیرت شبیم دریں گلزار دارد بیستکے  
کایں ہمہ الفت نگاہی ہم بر ہم خواہد کشید

عبرت آبادست این جا عاقبت و اشتگی است  
هر که دل بر این دآل بند و الم خواهد کشید

## سبک روحی

بیک دوروزه سر و برگ زندگی پسند  
که هر خلق پئے سود خود زیاں باشی  
اگر غبار شوی خوب دامن خود باش  
چنان مباحش که تشویش دیگران باشی  
نفس بدوز و سبک روح زندگانی کن  
مباد بر دل آئیند گراں باشی

## سراب نظر

همه غیب است شهود اینجا نیست  
جمله اخفاست نمود اینجا نیست

اصل هر سوسن و گل نیرنگیست  
جز همین سرخ و کبود اینجا نیست



شعله خاکستر محض است آخر  
جز دمی گرمی و دود اینجاست

نخواں جلوه مطلق دیدن  
آنکه این پرده کشود اینجاست

اعتبارات همه او هام اند  
تو عدم باش وجود اینجاست

## بے بصری

افسوس که ما دامن پندار گرفتیم	خورشید عیاں بود شب تار گرفتیم
از غفلت دل معنی بے پرده نهان ماند	صد جلوه در آئینه زنگار گرفتیم
در گلشن تقلید نشستیم به تقلید	اینها همه رنگست که دیوار گرفتیم
جای بود که ما جسم نمودیم تصور	گل بود که ما کج نظراں خار گرفتیم
عالم همه یک نسخه آثار شهودست	غفلت چه فسوں خواند که اسم گرفتیم
آواره او هام نمودیم یقین را	یعنی ز تامل ره گفتار گرفتیم

سودانی نه همست تخیل چه تو اں کرد  
از تنگی دل خانه به بازار گرفتیم

# خودنانشناسی

چرا اے دل بہ داغ بے تیر می آسنا گشتی  
کدامی پردہ چشت بست کر تحقیق و آگشتی

نگہ گر وید آغوش و داغ حق شناسی  
سراپا و صلا بودی چشم و اگر دی جدا گشتی  
کدامی غول و در صحرائے گمراہی و یلالت شد  
کز انسانی گذشتی طالب مردم گیا گشتی

سیرت از تاج "کرنا" گرانی داشت لے غافل  
کہ فرسش انتظار سایہ بال ہما گشتی  
عنا بے مطلقہ را داغ صد حرص و جد گشتی  
بخود خنہ تامل کن چہ بودی و ہما گشتی

عیاب پوچ مغربہ نقش بستی آخر لے گوہر  
ولے در جیب تمکین داشتی بیدل ہما گشتی  
بہ فہم نیستی آئینہ امراء ہستی شو  
چہ قدر ذرہ دانستی بخورشید آشنای گشتی



# خواب و بیداری

چیست بیداری ز باغ و هم وطن گل چیدنی  
 خواب، یعنی از غبار خود بنگه زد دیدنی  
 کبر و ناز آئینه نقشته که نتوان بست پرچ  
 ما و من تعبیر خواب ویدن و نادیدن  
 صدر ره از کم و سعتیهای ظهور افکنده ایم  
 بر رخ عالم نقاب از یک مرثه پوشیدنی  
 ساز هستی و عدم بست و کشاد چشم ما است  
 خواب و بیداری نه دارد بیش ازین فهمیدنی

## فهم راز

به فهم راز گوش هوش می باید نه گوش خس  
 که این حرف بگو بار شنیدن بر نمی دارد  
 به گلزار خیالم جلوه با آماده است اما  
 گل آنجا رنگ و صبح آنجا دمیدن بر نمی دارد

بروئے ہر دو عالم بستہ مراگاں و معذوم  
 بہارے در نظر دارم کہ دیدن بر نمی دارد

## جوہر ذاتی

ہمچو شبیم از تامل دیدہ گروا کنی  
 برگ برگ این چمن جز لوح استعداد نیست

جوہر ذاتیست موزونی نہ کسب عارضی

گل بہ سعی پر نشانیہا چو سرو آزاد نیست

باغباں گرخوں خورد ابر آبرو بر خاک ریز

نیست گل غیر از گل و شمشاد جز شمشاد نیست

ہم بہ قدر صافی است آئینہ تمثال آشنا

فہم ذاتی گر نہ باشد ہیچکس استاد نیست

موجہا یکسر بہ تیغ شوخی خود بسمل اند

دل پیش فرماست اینجا حاجت ارشاد نیست



# طالبِ صلہ

اے بسا معنی روشن کہ ز حرصِ شعرا

خاکِ جولانگہ اسپ و خراہل جاہ است

وے بسا نسخہ کہ در مکتبِ تشویش طبع

روسیاہ ابد از مدح وزیر و شاہ است

صلہ مشتاق گدا طبع ز مضمون بلند

گر ہمہ پائے بہ افلاک نہد در چاہ است

مرجع معنی این سست خیالاں دریاب

تا بدانی چہ قدرِ فطرتِ ثناء کوتاہ است

ما درجِ اہل صفا باش کہ در علمِ یقین

وصفِ این طائفہ تفسیرِ کلام اللہ است

# بہ قصیدہ گویان سلاطین

اے کہ تعریف سلاطین کردہ  
چسیت تعلیم شیاطین؟ حُبّ جاہ  
فخر طبع و مدح شاہے پیش نیست  
امتیازے تابدانی شاہ کیست  
بر سرش افتادہ آں زریں رخام  
تخت سیم و افسر زریں دو سنگ  
فی الحقیقت آتش است آں شاہ نیست  
قرب آں آتش بلائے جان تست  
گر بہ بزم شاہ قرب اندیشہ  
مشرق تعلیم شیاطین کردہ  
اے شیاطین مشرقت رویت سیاہ  
کاں ہمہ تخت کلاہے پیش نیست  
ایں نفس پروردہ وہم جاہ کیست  
آمدہ پالیش بہ سنگے تخت نام  
ادھو آتش در میان آں دو سنگ  
لیک ہر آتش پرست آگاہ نیست  
برق دین و حرمن ایوان تست  
بیگماں زردشت کافر پدیشہ

رفتہ گیر آئینہ دینت ز دوست  
نیست ہرگز حق پرست آتش پرست



# ذوق و شوق

یاد ایامی که جاں مشتاق و دل مدہوش بود  
ہر مژہ واکر و فی تمہید صد آغوش بود  
تا چہ پرواز د تغافل موہویم داشت چشم  
تا چہ فرماید تبسم عضو عضوم گوش بود

## اثر صحبت

ریشہ با آب چو سازد گل احر گردد  
خاک چوں طالب نورشید شود زر گردد  
صحبت صاف دلال جو ہر اکسیر غناست  
بے صدف قطرہ محال است کہ گوہر گردد

---

# نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن

الہی تہمت آباد ظہوریم      زہستی تا عدم یکدستیم دویم  
 کمت نارسانی صید آہم      چراغ خامشی برق نگاہم  
 سراپا اشک بیتابی عنانیم      قدم پیدا نے وا ز خود روانیم  
 عنانِ ماکہ دارد جز چکیدن      دلیل ماکہ غیر از نارسیدن  
 دریں دریا شکستن میرود بیش      پہ خواہد موج از بیتابی خویش  
 طلب سرمایہ شوقیم، ہا کو      اقامت آرزو داریم، جا کو

نہ پائے رفتن و نہ جائے ماندن

دریں رہ حیف رفتن، وائے ماندن

## عرفان خویش

لے کہ از فہم حقائق دم زنی خاموش باش  
 غمراہ باید کہ دریابی زبان خویش را



روزگارے در قفائے وہم باید تا ختن  
 تادریں صحرا بدست آری عنانِ خویش را  
 در ہوائے بے نشانی تا نہ گردی بے نشان  
 سخت دشوارست پے بردن نشانِ خویش را  
 مدتے بر ہم زدن دارد قماشِ خوب زشت  
 تماشنا سی مجلسِ موہوم دکانِ خویش را

## مذمتِ نفاق

دلِ نفاق پرست آفتِ بنائے و فاست  
 حذر کنید ازیں پنبہٴ شرر آلود  
 اگر نگاہِ تنزہ سراجِ جلوہ اوست  
 نمی توان بہ تماشاے نو بہار آلود  
 چہ جائے غیر، نفس ہم ز دل بروں آرند  
 خیالِ دوست مبادا شود غبار آلود

# حیرتِ نظارہ

اے خوش آن حال کہ چوں بر تو نظر بکشایم  
 ہر نفس چوں نفس از خود روم و باز آیم  
 جلوہ ات ہر قدم ساغر نیرنگ دہد  
 از تیر چہ شناسم کہ چہ مے پیما یم  
 شوق ہر چند دو عالم کند از من بربیز  
 جز در آغوش تو خالی نہ نماید جایم  
 بہ خیال تو چناں گم عشوم از ہستی خویش  
 کہ عدم ہم نتواند کہ کند پیدا یم

## کرشمہ نگاہِ ناز

تا دو چار ناز کرد آن نرگس مستانہ ام  
 شوق جوشے زد کہ می پذیراشتم میخانہ ام  
 یارِ شرابے پرورہ دیگر تاب خود داری کراستہ؟  
 اے رفیقانِ نو بہار آمد کنوں دیوانہ ام



## طوفانِ بہار

تعالیٰ اللہ چہ طوفانِ بہار ست  
 اگر خاکست جو لانگاہ سودا ست  
 ز رنگ و بوی جنونے خفتہ یکبار  
 گریباں چاکئی آئینہ خاک  
 بہ ہر سو حیرتے واکردہ آغوش  
 در و دشت از ہجوم رنگ باغیت  
 طراوت بسکہ شوخی کرد بنیاد  
 ز گل جا بر چمن شدہ این قدر تنگ  
 بہ خود پیچیدنی دارد مثنو ش  
 نردوشے کز دل بیرون شتابد  
 جنون بیدلی بر خویش بایند  
 نمی از دامن مجنون فشر دند

کہ چوں گل شش بہت گل در کنار ست  
 و گر آہست موج طپشہا ست  
 بشور خندہ گل گشتہ بیدار  
 سحر جو شانندہ از تمثال افلاک  
 جہاں در حبیب و جنون می زند جوش  
 چو گل یکسر جنون تر دماغیت  
 فلک کشتی بہ طوفان ہوا داد  
 کہ پتوں بوبر ہواست آشیان رنگ  
 نگہ از رنگ گل پوں ہوز آتش  
 ز گرد رنگ و بوی در سمرمہ خواہد  
 سویداد دستگاہ ابر گردید  
 شفقتا شعلہ بر افلاک بردند

کجائی اے ز ساز رنگ غافل  
دو عالم نیست غیر از یک جنوں بند  
تبسم بسکه می بارد به افلاک  
ز عطرسات آں همه سرمایہ گل  
به وصف این بهار رنگ و بو خیز  
قلم تا حرف رنگیں می نگارد  
بهار اینجا نشد آئینہ پرداز  
تراشیده است حسن گلزارے  
همه حسن است از حیرت خبر گیر  
به هر جاشنمنه واکرده مژگان  
که مارا نیست جز شوقی فزودن  
دریں حیرت سرا دارد مہیا  
متاع حسن یکسر باب عشق ست  
اگر طوقے ز قمری سر بر آرد  
وگر پروانہ داغ چیدہ باشد  
نواہائے پئے منقار بلبل

ز چشم بستہ منشیں دست بردل  
شگفتہ است مژگان بخت چند  
سحر گردیدہ چین دامن خاک  
کہ بویے مشک دارد سایہ گل  
نفس چوں رشتہ شمع ست گلریز  
رقم جوشش پر طاؤس دارد  
مگر در کسوت کیفیت ناز  
ز ہر کیفیت آئینہ دارے  
نگہ مجنوں کن ویسا بہ بر گیر  
بایں رنگست حیرانی پرافشاں  
مگر آئینہ از رنگے زدودن  
نگہ از جلوہ سامان تماشا  
ہماں آئینہ اسباب عشق ست  
ز شمع سرو دودِ حلقہ دارد  
چراغش پر تو بخشیدہ باشد  
صدائے چیدہ از تارِ رگ گل



ز بوی گل نگہ در چشم شبنم  
 نفس در رنگ شبنم میشود آب  
 شفق در آستین آہ دارد  
 چو شمع از خار ہا گل می توان چید  
 چو گل خمیازہ دارد جام پر لب  
 اسیر الفت این رنگ و بو نیست  
 ز الفت رشتہ شیرازہ دارد  
 تمنا جز حصول آرزو نیست  
 مژہ باید کشودن جلوہ اینست  
 حباب جلوہ طوفان خویش اند  
 ندارد از بہار رنگ و بو یاد  
 ز خود در گردن یارست دستش  
 ہجوم حیرت است آئینہ دردست  
 کہ با ہر برگ است و دامنہ ہست  
 کہ اے غفلت نوا یان جنوں ساز  
 بہ صد آغوش خود را تنگ داریم

نفس در دیدہ دارد شوخی رم  
 سحر را از ہجوم شوق بیتاب  
 ہوا ہم تا بہ گلشن راہ دارد  
 ز بس شوق ست اینجا عیش تمہید  
 ز سامان جوشی عیش مرتب  
 دریں گلشن بہ ہر جا آرزو نیست  
 ہمہ گر وحشت اینجا سر بر آرد  
 پرافسانست شوخی رنگ و بو نیست  
 نگہ از خود تماشا آفرین است  
 چمن زادان ہمہ حیران خویش اند  
 بہ عشق قامت خود سرو آزاد  
 ز بس رعنائی خود کردہ مستش  
 نشاید از خیال خود برون جست  
 تامل کن اگر فہمیدنے ہست  
 ز جیب غنچہ بوی دارد آواز  
 بہ فکر غیر کے آہنگ داریم

به عرض راز تا سوسن زند جوش  
 جهاں گوش سخن فہم نہ دارد  
 بہ خود پر می زند نکست کہ بس کن  
 بہ ضبط خود سحر و اکرده آغوش  
 درین فصل نشاط مستی آہنگ  
 دے داری تو ہم یک غنچہ ثوں کن  
 ہرنگ گل ز عریانی قبا گیر  
 چہ لازم باخرد ہم خانہ بودن  
 چو گل باید شد از جام ہوا مست  
 بہ فکریا نماں پروا غنچہ چند  
 چو بولے گل بہ پرواز جنوں آے  
 نشاط امروز در رہن جنوں ست  
 بہ پڑ ہیز از کشاکش ہستے تدبیر  
 بہ فرق ابر چترانہ دود سودا ست  
 کنوں اندیشہ فرزانگی چیست  
 بہ ہر رنگ از ہما زندگانی

زباں در سرمہ می غلطد کہ خاموش  
 مبادا گفتگو درد سر آرد  
 خورد دیوانہ شد ضبط نفس کن  
 ہوا ہم در پے خود رفتہ از ہوش  
 کہ می ہوشد جنوں در کسوت رنگ  
 بہ جیب خویش طوفان جنوں کن  
 ز جیب پارہ دامان ہوا گیر  
 دو روزے می تواں دیوانہ بودن  
 ولے چوں غنچہ باید دادن از دست  
 متاع وہم وطن نا باغتن چند  
 بخود متا داری از خود بروں آے  
 خورد از جرگہ عشرت برون ست  
 مبادا بگسلانی ربط زنجیر  
 ہوا از بولے گل زنجیر دید پاست  
 گلے رنگیں تراز دیوانگی چیست  
 جنوں دستہ کن گر می توانی



بنے ہر ساز بے آہنگ مشاب  
 نہ از نالہ زنجیر آگاہ  
 کجا آہنگ کو سازے جنوں ساز  
 نہ زنجیر بست اینجانے جنوں نے  
 نفس زنجیر و ما آواز زنجیر  
 رم زنجیر ما از نالہ پیش است  
 تو خواہے زندگی خواہے فنا گیر  
 ز زنجیرے صدائے وام کردند  
 تعلق بہر فوہ و ہم وطن نیست  
 چہ فرصت فکر او ہم تعلق  
 تعلق مشترطو فان فروشیت  
 بہ زنجیر این قدر غنا فروشیست  
 نوائے بلبل زنجیر دریاب  
 کہ بر آہنگ ساز خود کشی آہ  
 بہ زنجیر پز افشا نست آواز  
 خیال از وہم می تواند فسونے  
 تھیر نغمہ ایم از ساز زنجیر  
 سپند از شعلہ آواز پیش است  
 صدائے موج زنجیر ہوا گیر  
 خیالے راتعلق تمام کردند  
 جنون فرصت است این ما و من نیست  
 چہ ما و من ہمیں دام تعلق  
 بہ زنجیر این قدر غنا فروشیست

بہاں زین ساز دارد مایہ شور

الہی حنائہ زنجیر معہور

نست